سلسلہ نمبر ۵

خلافت عثمانیہ

اور

دنیائے اسلام

مولانا سید سلیمان ندوی

ناشر۔ دارالاشاعت سیاسیات مشرقیہ۔ دہلی

باہتمام عبدالقدیر

الماس پریس چھتہ لال میاں دہلی میں طبع ہوئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ خلافت پر میرے تاریخی مضامین پڑھنے والوں کو یہ معلوم ہو گا کہ خلافت اسلامیہ اور دنیائے اسلام کے باہمی تعلقات کا نظام اساسی کیا تھا؟ اعتقاداً اور ذہناً تو ہمیشہ اور عملاً اکثر یہ سمجھا جاتا تھا کہ تمام دنیائے اسلام کا رئیس و امام اور حاکم اعلیٰ ایک شخصیت ہے جس کا نام امام اکبر یا خلیفہ تھا۔ تمام دوسرے اسلامی ممالک جو گو براہ راست اس کی حکومت میں نہ تھے، تاہم وہ اس کے مذہبی حیطۂ اقتدار سے باہر نہیں سمجھے جاتے تھے، ان ملکوں کے مسلمان بادشاہ، امام وقت، و خلیفۂ عصر کے نائب اور قائم مقام مانے جاتے تھے، اس طریقہ پر گویا ایک عظیم الشان اسلامی جمہوریت متحدہ کا دنیا میں وجود تھا اسلام کے تمام مذہبی مقامات، بیت المقدس

حرمین و دیگر مقدس یادگاروں کا وہ حامی اور محافظ اور دنیا میں اسلام کی عزت و حرمت کا امین اور نقیب اور غیر اسلامی ملکوں میں مسلمانوں کا پشت پناہ اور ملجا ہوتا تھا۔

خلافت عباسیہ میں جب تک دم رہا، حتی المقدور وہ اس فرض سے غافل نہیں رہی، لیکن اسمیں بھی شک نہیں کہ تاریخ میں ایسے مواقع بھی ہیں کہ خلافت کا مرکز کبھی کمزور ہاتھوں میں آگیا، اور کبھی مسلمان سلاطین نے اپنی چیرہ دستی اور غرور و نخوت سے نیابت کا حق ادا نہیں کیا۔ بغداد کی عباسی خلافت بہرحال ایک سیاسی قوت تھی، مگر مصر کر اس کا اقتدار بہت حد تک صرف مذہبی اور رسمی رہ گیا، تاہم مصر کے مملوک سلاطین جو عباسی خلفا کے نائب اور تنفیذی (اگزیکیٹیو) طاقت تھے جب تک مضبوط رہے، ان کے کارنامے مصر سے باہر دوسرے اسلامی ملکوں میں خلافت ہی کے کارنامے سمجھے جاتے تھے، چنانچہ ہندوستان، ایران، روم، ترکستان وغیرہ میں انکا اسی حیثیت سے اعزاز و احترام تھا، اور انہیں خلفا کے نام کے خطبے ان ملکوں میں پڑھے جاتے تھے اور اس طرح اسلام کی جمہوریت عظمیٰ کا ایک ڈھانچ قایم تھا۔

خلافت عثمانی سے قبل دنیائے اسلام کی عام حالت

نویں صدی کے اواخر میں دنیائے اسلام کے نقشہ پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ اس عظیم الشان جمہوریت کا قالب بیجان ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا ہے، اسکے دماغ و دل یعنی خلافت

عہد کی کمزوری اور ضعف کا یہ حال پہنچا ہے کہ وہ دور کے اجزائے بدن کی تو کیا آس پاس کے اعضاء کی قوت کا سہارا بھی نہیں رہے ہیں، بڑی بڑی سلطنتیں اور حکومتیں چھوٹی چھوٹی ریاستوں، امارتوں اور ٹکڑیوں میں بٹ گئی ہیں، ہندوستان سے لیکر اسپین تک تمکو یہی کیفیت اور یہی نقشہ نظر آئے گا ہندوستان کی طاقت سندھ، گجرات، مالوہ، احمدنگر، بیجاپور، برہان پور، بیدر، کشمیر، جون پور بنگال، دہلی وغیرہ صوبہ وار حکومتوں میں منقسم ہوگئی ہے، ترکستان میں بخارا، بلخ، خوارزم، مرو اور کاشغر میں بیسیوں خان چھوٹی چھوٹی ریاستوں پر حکمران ہیں، روس کا علاقہ کریمیا، قازان، استراخان میں بٹ گیا ہے، علاقہ قفقاز میں آذربائیجان، داغستان، گرجستان، سب بکھرے ہوئے اجزا ہیں، افغانستان و خراسان میں مختلف تیموری شہزادے اور ترکمانی امرا ادھر ادھر قسمت آزمائی کر رہے ہیں، عراق ایک مستقل حکومت ہے، مصر و شام میں مملوک سلطانوں کی سلطنت ہے، عرب چھوٹے چھوٹے شیوخ میں بٹا ہوا ہے یہاں تک کہ یمن میں تو ایک ایک شہر کا الگ الگ امیر ہے، حجاز شرفا کے ایک خاندان کے ماتحت تھا جو کبھی مصر کے زیر اثر بن جاتے تھے اور جب کبھی موقع ملتا تھا، امام یمن سے ساز باز کر لیتے تھے، امام یمن اور سلطان مصر میں ایک سلسلہ جنگ برپا تھا، مصر کے پار سوڈان، طرابلس، تونس، الجزائر، فاس کتنی ہی ریاستیں تھیں اسپین کی ایک سلطنت کے غرناطہ، قرطبہ، طلیطلہ، شاطبہ، حمص، بطلیوس کتنے ٹکڑے ہو گئے تھے، جن میں سے اب صرف ایک یا دو باقی تھے غرض

خانوادۂ اسلام کا ایک ایک گھر اجڑ گیا تھا اور جامۂ خلافت کا تار تار الگ ہو گیا تھا لسان الدین خطیب اسلامی دربار اندلس کے آخری وزیر نے نویں صدی کے آخر میں اسی موقع کے لیئے یہ اشعار کہے ہیں[1]،

حتی اذا سلك الخلافة انتثر — وذهب العين جميعاً والاثر

خلافت کا ہار بکھر گیا ہے — اور اصل و نشان دونوں مٹ گئے ہیں

قام بكل بقعة مليك — وصاح فوق كل غصن ديك

تو زمین کے ہر ٹکڑہ میں ایک ایک بادشاہ بن بیٹھا ہے — اور ہر شاخ پر ایک ایک مرغ اپنی آواز لگا رہا ہے

وكثر العادى بها والخائف — واقتسمت اقطارها الطوائف

ظالموں اور مظلوموں دونوں کی کثرت ہے — اور ملکوں کو چھوٹے چھوٹے جتھوں نے بانٹ لیا ہے

وطمحت للفتنة الرقاب — وكثرت فى فوقها الالقاب

گردنیں فتنہ کے لیئے اٹھ گئی ہیں اور — لوگوں میں صرف بڑے بڑے القاب شاہانہ کی کثرت ہو گئی ہے

والدين فى اثناء هذا ينتهب — والروم تستصفى النفوس والذهب

دین اسلام پر اسی درمیان میں ڈاکے ڈالے جا رہے ہیں — اور یورپ کے عیسائی جان و مال پر قبضہ کرتے جاتے ہیں

اذ صادفت كلمة مفرقة — وملة بما وهاها شرقة

کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں میں افتراق ہے — اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ لاانتہا مصائب سے دین و ملت کا گلا گھٹ رہا ہے

---

[1] یہ اشعار خطیب کی تصنیف "رقم الحلل فی نظم الدول" مطبوعہ تونس صفحہ ۹۴ میں ہیں۔ خطیب نے اس کتاب میں تاریخ اسلام کے بعض ابواب اندلس، مغرب اقصیٰ کے تمام واقعات کو نظم کر دیا ہے، یہ کتاب اس لائق ہے کہ ہمارے عربی طلبہ کے نصاب تعلیم میں داخل ہو۔

اس وقت مسیحی یورپ کے صلیبی نبرد آزما، مصر کے ایوبی اور مملوک سلاطین کی تلواروں سے شکست کھا کر اسلام کے خلاف اپنی تجویزوں کا نقشہ بدل رہے تھے۔ ان کا پہلا نقشہ یہ تھا کہ یورپ کی کل مسیحی طاقتیں ملکر ارض مقدس کو اسلام کے ہاتھوں سے چھین لیں مسلسل دو سو برس کی زور آزمائیوں سے اُن کو یہ معلوم ہو گیا کہ یہ اس طرح براہ راست ناممکن ہے، کامیابی کا اصلی راستہ یہ ہے کہ اسلام کی طاقت کو رفتہ رفتہ کمزور کیا جائے۔ "ارض مقدس،، صرف ایک فلسطین ہی نہیں بلکہ کرۂ عالم میں زمین کے جس رقبہ پر بھی ہلال کا علم لہراتا ہے وہ سب "ارض مقدس" ہے، اور وہ صلیب کا حصہ ہے! اس تجویز کی کامیابی کے لیئے ان کے دو صد سالہ تجربہ نے ان کو بتایا کہ "مقصود دلی،، کو مذہب کے رنگ کے بجائے، عام سیاست، تجارت، علمی تحقیقات، اور مشرق کی قلیل التعداد اقوام کی حفاظت کے عام انسانی فرائض کے رنگ میں اسکو نمایاں کیا جائے، اور بجائے اسکے کہ اپنی فوجوں سے دشمنوں پر حملہ کیا جائے صحیح صورت یہ ہے کہ خود دشمنوں کے جرگوں سے اپنے لیئے سپاہی پیدا کر لیئے جائیں تاکہ زیادہ چالاکی اور ہشیاری سے دشمن کو ضعیف و بے قابو اور عاجز کیا جا سکے۔

تجویز کا یہ خاکہ تھا جس پر پہلے کی طرح شور و غل اور اعلان و اشتہار کے ساتھ نہیں بلکہ سکون، خاموشی، تدریج اور ہمسنگی کے ساتھ یورپ کے صلیبی نبرد آزماؤں نے آگے قدم بڑھایا۔ اور چونکہ دنیائے اسلام اسوقت مدت کی جد و جہد سے چور ہو گئی تھی اور اس کے اتحاد کا شیرازہ بکھر چکا تھا، اس لیئے

اس کام کے لیئے اس سے بہتر کوئی موقع نہیں مل سکتا تھا۔ اس مقدس غرض کا آغاز اندلس کی سرزمین سے ہوا جو مسیحی دنیا سے اس پرفریب جنگ کا سب سے قریب محاذ تھا۔ مسیحی دنیا کے مذہبی فرمانروا (پوپ) کے زیر اثر اسپین کی ایک کوہستانی مسیحی ریاست جو مسلمانوں کے رحم وکرم سے زندہ بچ گئی تھی، قوت پکڑنے لگی، اور اب اس نے اسپین کی اسلامی ریاستوں کی باہمی نزاعوں میں کبھی اُس کا اور کبھی اُس کا ساتھ دینا شروع کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ نویں صدی کے آخر میں ان میں سے ایک ایک کا خاتمہ ہو گیا۔ اس سرزمین میں اسلام کے جاہ وجلال کی آخیر یادگار غرناطہ تھا، جس کے میدان میں تمام مسیحی دنیا ایک اسپین کے اسلام سے تنہا معرکہ آرا تھی، غرناطہ نے دلدوز اور ولولہ انگیز قصیدے خونِ دل سے لکھہ کر افریقہ اور مراکش کے مسلمانوں کو بھیجے، مصر کے خلیفہ عباسی کے نام خط پڑہا لیکن کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ اس غیر متوقع کامیابی نے اسپین اور پرتگال کے حوصلے بڑہا دیئے، چنانچہ یورپ کی اس نئی ترقی کی تاریخ میں یہی قومیں یورپ کی دوسری قوموں کی رہبر اور رہنما بنیں، انہوں نے خشکی کو طے کر کے سمندروں میں بھی اپنے جہاز ڈال دیئے، اسپین ارض مقدس کی تلاش میں امریکہ پہنچا اور پرتگال نے افریقہ ہو کر مشرق کی راہ لی۔

داستان کی اس منزل پر پہنچ کر ناظرین تھوڑی دیر کے لیئے میرے ساتھ ٹھہر جائیں، میں انہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس وقت اسلام کن مشکلوں میں گرفتار تھا،

یورپ کے مسیحی سپاہیوں نے ایک ہی دفعہ اسپر چار گوشوں سے حملہ کیا، ۹۳۸ھ سے روس نے ایشیائے وسطی کے صحرا سے اسلام پر اپنا حملہ شروع کیا، یہ قازان کی اسلامی ریاست تھی، اور ایک طویل سلسلۂ جنگ کے بعد ۹۹۳ھ میں اسکا خاتمہ ہوگیا، اس کے بعد استراخان اور کریمیا وغیرہ کی باری آئی، یہاں تک کہ اسکے ڈانڈے بحر اسود اور سرحد ایران سے آکر مل گئے، اسپین اور پرتگال ملک اندلس میں اسلام کا ۸۹۷ھ میں خاتمہ کر کے آگے کو بڑھے، اسپین نے دوستی کے پردہ میں تونس و الجزائر پر قبضہ کیا، پرتگال نے پورے افریقہ کو ناپ کر بحر عرب اور بحر ہند میں آکر اپنے ڈیرے ڈالے، اور عرب اور ہندوستان کے اسلامی سواحل پر قتل و غارت گری کا آغاز کیا، دوسری طرف مراکش کے سواحل پر آکر وطاسی خاندان پر حملہ آور ہوئے، جو مغرب میں ایک نئی اسلامی حکومت کی بنیاد ڈال رہا تھا، اور آسفی، ازمور، معورہ پر ــــــ میں قبضہ کر لیا صلیبی سپاہیوں کی چوتھی کمین گاہ بحر روم کے جزائر تھے، قبرص (سائپرس) روڈس، مالٹا اور روبینس کے صلیبی دستے مصر و شام کی ناکہ بندی میں مصروف تھے، خصوصاً قبرص، روڈس اور مالٹا تو سینٹ جان کے صلیبی مجاہدین کے بڑے بڑے مستحکم قلعے تھے، جو دن رات صرف مسلمانوں کے خون کے پیاسے رہتے تھے، اور یہی انکی زندگی کا مذہبی فرض تھا۔

یہ درحقیقت گذشتہ صلیبی سپاہیوں کی یادگار اور فلسطین کی مسیحی نو سالہ حکومت کی شکست خوردہ فوج کی نسل تھے، یہ بحر روم کے دربان تھے، جن کے سامنے سے

کوئی اسلامی جہاز مسلمان ملکوں کو روانہ نہیں ہو سکتا تھا، قبچاق، کریمیا اور روم کے مسلمان حج نہیں کر سکتے تھے۔ وینس کا بازار مسلمان عورتوں کی ناموس اور مسلمان مردوں کی آزادی کی خرید و فروخت کی بڑی منڈی بنگئی تھی، جو قیدی کسی حال میں اسلام سے پھر ناگوارا نہیں کرتے تھے اگر مرد ہوتے تو وہ مصر لاکر بیچڈالے جاتے تھے، جہاں وہ مملوک سپاہیوں میں بھرتی کرلیئے جاتے تھے، اور اگر لڑکیاں ہوتیں تو وہ اٹلی کے امرا اور دولتمندوں کے عیش خانوں میں بھیجدی جاتیں تھے۔ اور جب کبھی موقع ملتا وہ اسکندیہ تک دہاوا کرتے چلے آتے۔

اس سے زیادہ بدقسمتی یہ کہ اسی زمانہ میں ۹۰۸ھ میں ایران وخراسان میں صفوی خاندان کا ظہور ہوا، جس نے تنگ نظری سے اسلام کے بجائے شیعیت کو اپنے سیاسی کارناموں کا مرکز قرار دیا، اہل سنت یا تو اس ملک سے جلاوطن ہونے پر مجبور ہوئے، یا ہنگاموں میں قتل ہوئے، یا وہ شیعہ بنا ڈالے گئے، اس سے بڑھ کر یہ کہ صفویوں نے سلطنت عثمانیہ کے باغی شہزادوں کو اپنے ہاں پناہ دی، اور سلطان مصر سے خط وکتابت کرکے سلطنت عثمانیہ کے خلاف ایک متحدہ حملہ کا سامان کیا، اس کا نتیجہ باہمی ہنگامہ آرائیاں ہوئیں اور مجموعی حیثیت سے اسلام کی تباہی!!

خلافتِ عثمانی

غرض سلطان سلیم نے ۹۱۸ھ میں جب عثمانی تخت پر قدم رکھا تو دنیائے اسلام

اس انتشار اور پراگندگی کی حالت میں تھی کہ اس نے داہنے بائیں آگے پیچھے جدھر نگاہ اٹھائی، اسلام کی سیاسی قوت پارہ پارہ نظر آئی۔ اس نے سمجھا کہ جب تک اسلام کے اصلی عناصر، عراق و شام و مصر و عرب ایک مرکز پر جمع نہ ہو جائینگے، اور دائرۂ اسلام خلافت کے ایک متحدہ نقطہ پر مضبوط نہ ہو جائے گا اسلام کے یہ بکھرے ہوئے اجزا فراہم نہیں ہو سکتے، اور نہ انہیں دشمنوں کے حملوں سے محفوظ رہنے کی طاقت آئیگی۔ یہ عقیدہ تھا جس نے سلطان سلیم کو دنیائے اسلام کو اپنے ہلالی علم کے نیچے جس سے زیادہ مضبوط، طاقتور اور وسیع کوئی دوسرا اسلامی علم روئے زمین پر موجود نہ تھا، لانے پر مجبور کیا۔ خلافت اور سلطنت کی دو علیحدہ علیحدہ شخصیتوں میں تقسیم نے خلافت کے اقتدار و ہیبت اور سطوت کو سخت نقصان پہنچایا تھا، اسلئے ضرورت تھی کہ یہ دونوں شخصیتیں ایک ہستی میں مدغم کر دی جائیں، اور اس کے لئے خود سلطان کی ذات سے زیادہ موزوں کوئی دوسری ہستی اس پردۂ امکان میں موجود نہ تھی۔

تجویز کا یہ نقشہ تھا جسپر سلطان سلیم نے عمل کرنے کا عزم کیا، اور اسکا یہ خواب ۹۲۳ھ میں پورا ہو گیا، جب عراق و شام و مصر سب اس کے جھنڈے کے نیچے کسی بڑی لڑائی کے بغیر جمع ہو گئے تمام عرب خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر اس علم کے نیچے آ کھڑا ہوا، اور ہر جگہ جامعوں اور مسجدوں کے منبروں پر سلطان کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ اب مسیحی دنیا کو اسلام کے قالب بیجان میں زندگی کی ہمہ گیر طاقت کی روح نظر آنے لگی، اور اب اسلام کے قوائے دماغی میں وہ قوت پیدا ہوئی جس سے دور کے پٹھوں اور رگوں

میں جنبش پیدا ہونے لگی۔

انگریزی زبان میں اسوقت "مورخین کی تاریخ عالم" سے بڑھ کر کوئی جامع اور معتبر تاریخی شہادت نہیں اس کتاب کے مصنفین اس موقع پر لکھتے ہیں:۔

"سلیم اب اس وقت فی الواقع "مقامات مقدسہ کا محافظ" ہو گیا، اُس نے قاہرہ میں ایک بیچارہ بیوقوف شخص کا پتہ پایا، جو مستنصر باللہ کے نام سے پکارا جاتا تھا، جس کا وصف امتیازی صرف یہ تھا کہ عباسی خلفا کی دوسری شاخ کا اٹھارہواں خلیفہ تھا، سلیم نے اسپر ہاتھ ڈالا اور اُسکو اسوقت تک آزادی نہ دی جب تک اسنے خلافت کے تمام حقوق سے دستبرداری نہ لکھدی، اسکے معاوضہ میں سلیم نے اسکو کچھ زر نقد اور ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا، سلیم نے تب اپنے القاب میں اس لقب (خلافت) کا بھی اضافہ کر لیا۔ مگر اب خلیفہ ایک بوڑھا، مسکین شیخ نہیں رہا تھا، بلکہ اب وہ ایک بہت بڑی طاقتور فوج کا مالک تھا جو اسلام نے اپنے قبضہ میں کبھی رکھی تھی، اُس دن سے اسلام اپنا صرف ایک امیر رکھتا ہے جسکے اقتدار کے ماتحت تمام سیاسی اور مذہبی امور ہیں[۱]۔"

سلطان سلیم کا جو نقطۂ نظر تھا اسکی تشریح کے لئے ایک ترک ہی مورخ کا قلم زیادہ موزوں ہے، جودت پاشا اپنی تاریخ میں قازان اور حاجی ترخان (استراخان) پر روسیوں کے قبضہ اور کریمیا کے خانوں کے عدم قدرت اور دولت عثمانیہ کی طرف سے

[۱] ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ، جلد ۲۴، صفحہ ۳۶۵ و ۳۶۶۔

عظیم ڈالدیا، اور مملکت ماوراء النہر اور دولت عثمانیہ کے بیچ میں وہ حائل ہو گئے
تو ماوراء النہر والے اس عنصر میں شریک ہونیسے محروم رہ گئے۔ حالانکہ اس
حکومت کا خلافت اسلامیہ کی بنا پر یہ فرض تھا کہ ان تمام (مسلمان)
قوموں کو جو مشرق و مغرب اور ہندوستان و سندھ میں تھیں، اور
جو اسکے اصلی عناصر بن سکتیں ان کے یکجا اور متحد کرنے میں وہ اپنی کوشش اور
محنت کو صرف کرتی اور ان کو اپنے اقتدار میں لاکر اپنی اجتماعی قوت کو بڑھاتی
خصوصًا کوہ قاف کے باشندوں اور ترخان اور قازان کے تاتاریوں کو اپنے میں
شامل کرنا بہت تھوڑے وقت میں ممکن تھا، اور قومی و مذہبی اتحاد کے
سبب سے یہ کام نہایت آسان تھا اور اسوقت کریمیا کا ملک بھی اس سلطنت
میں داخل ہوجاتا، اور اس سے کوئی خطرہ و خوف باقی نہ رہتا۔ سلطان سلیم علیہ الرحمہ
کے یہی خیالات تھے، اور یہ کس قدر عمدہ تھے، لیکن اسکی وفات کے بعد یہ
نکتہ ذہن سے جاتا رہا، اور یہ عمل چھوڑ دیا گیا، اور بیرونی فتوحات کے پیچھے
پڑکر اصل سرمایہ بھی ہاتھ سے جاتا رہا، اور سلطنت کی وسعت سمٹ کر اصلی عناصر
تک محدود رہ گئی اور اسکی وسعت وہی ہوگئی جو سلطان سلیم کے زمانہ میں تھی۔۔۔۔
حاصل یہ کہ اگر سلطان سلیم کے خیال، مقصد، اور تجویز و نقشہ کے مطابق چلا جاتا
تو سلطنت عثمانیہ کی قوت و وسعت آج سے[1] بالکل مختلف ہوتی ''

[1] تلفیق الاخبار فی تاریخ قازان و البلغار مطبوعہ اورنبرگ جلد اول صفحہ ۱۵۰ و ۱۵۸ ،

دنیا کا یہ عظیم الشان انقلاب کیونکر ظہور پذیر ہوا؟ یعنی یہ کاروبار خلافت خاندان عثمانی میں کیونکر منتقل ہوا، اور سلطان سلیم نے حرمین کی خدمت گزاری کا شرف کیونکر حاصل کیا؟ میں اپنے قلم سے اسکے متعلق کچھ لکھنا نہیں چاہتا بلکہ علمائے مکہ، اور شیوخ حرمین نے اپنی تصنیفات میں اسکے متعلق جو کچھ لکھا ہے صرف اس کے ترجمہ کا حق ادا کرتا ہوں شیخ دحلان مکی مفتی شافعیہ اپنی تاریخ فتوحات اسلامیہ میں لکھتے ہیں:-

"سنہ ۹۲۲ھ میں سلطان سلیم نے سلطان غوری فرمانروائے مصر و شام کے مقابلہ کا ارادہ کیا جو شاہ ایران کے ساتھ ساز باز رکھتا تھا، اور جس نے ایرانیوں سے جنگ کے موقع پر سلطانی لشکر میں رسد لے جانے کی ممانعت کر دی تھی، ... ایک معمولی جنگ کے بعد سلطان کامیاب ہوا، اور غوری میدان جنگ میں مارا گیا، سلطان شہر حلب میں داخل ہوا، حلب کے باشندوں نے مع علما اور صلحا کے سروں پر قرآن رکھ کر سلطان کا استقبال کیا، فتح کی تہنیت پیش کی، اور رفق و مدارا کی درخواست کی سلطان نے مہربانی کا سلوک کیا اور شہر میں داخل ہوا، جامع مسجد میں سلطان کے نام کا خطبہ پڑھا گیا، خطیب پہلے سلاطین مصر کے القاب میں "خادم الحرمین الشریفین" کے الفاظ پڑھا کرتے تھے۔ جب حلب کی جامع مسجد میں خطیب خطبہ دینے کے لئے کھڑا ہوا تو سلطان سلیم کے نام کے ساتھ بھی اس نے "خادم الحرمین الشریفین" کا لقب پڑھا، سلطان اس سے بیحد مسرور ہوا اور اسے یقین ہو گیا کہ آخری فتح اسکو نصیب ہو گی اور "حرمین الشریفین" کی

خدمت کا فخر اسکو حاصل ہوگا۔ اس خوشی میں خطیب کو وہ حلہ عطا کیا جو خود سلطان زیب تن کئے ہوئے تھا، اسکی قیمت پچاس ہزار غرش تھی اسکے بعد سلطان شام کی جانب روانہ ہوا، وہاں کے لوگوں نے دھوم دھام کے ساتھ اسکا استقبال کیا، اور وہ بھی ان سے مہربانی کے ساتھ پیش آیا۔ یہاں تین مہینے سلطان نے قیام کیا، اس درمیان میں جامع مسجد میں گیا، اور امام نے اس کے نام کا خطبہ پڑھا۔ یہاں سے بیت المقدس ہو کر مصر کا ارادہ کیا، اور ۳ا محرم ۹۲۳ھ کو مصر پہنچا، یہاں غوری کے بعد سلطان اشرف کو مملوکوں نے اپنا بادشاہ بنایا تھا“

تاریخ کی دوسری کتابوں میں ہے کہ سلطان نے پہلے اشرف کو صلح کا پیام بھیجا اور صرف یہ شرط کی کہ وہ سلطان کی اطاعت منظور کر لے، اس نے یہ شرط قبول کر لی تھی کہ مملوکوں نے اسکو مار ڈالا، اور اب ایسی طوائف الملوکی پیدا ہو گئی کہ نہ جنگ کا سامان ہو سکا، اور نہ صلح کے شرائط قبول ہو سکے ناچار سلطان نے مصر پر براہ راست قبضہ کر لیا، اس کے بعد مفتی دحلان لکھتے ہیں :۔

”مصر پر قبضہ پانے کے بعد سلطان کو آرزو ہوئی کہ حجاز کا ملک بھی میرے زیر حکم ہوتا کہ حرمین کی خدمت گزاری کا موقع ملے۔ اس کے لئے اس نے فوج بھیجنا چاہی، تاکہ غوری سابق سلطان مصر کے عمال کے ہاتھ سے اسکو نکال لے، اسوقت شریف برکات بن حسن بن عجلان مکہ معظمہ کے امیر تھے،...... اسوقت قاضی صلاح الدین (ایک مشہور عالم جو پہلے غوری کی قید میں تھے، اور جنکو تومان بیگ غوری کے بعد عارضی سلطان مصر

نے آزاد کیا، یا سلطان سلیم نے ان کو رہا کر دیا وہ قاہرہ میں موجود تھے۔ قاضی نے سلطان
کے وزیر کو مشورہ دیا کہ حجاز میں فوج بھیجنے کی ضرورت نہیں شریف برکات اس کام کو کرینگے
اور سلطان کا مقصد حاصل ہو جائے گا، اور شریف برکات کی تعریف کی اور کہا کہ وہ سب سے
پہلے سلطان کی اطاعت کرینگے، اور اہل حرمین اور باشندگان حجاز سے سلطان کی
بیعت لے لیں گے، فوج کے بجائے شریف کے نام صرف ایک فرمان سلطانی بھیجنا
کافی ہو گا۔ وزیر نے اس تجویز کو سلطان کے سامنے پیش کیا اور سلطان نے اسکو
بہت پسند کیا ..... اور فرمان سلطانی مع دو گرانبہا خلعتوں کے ایک خود شریف برکات
کے لیئے اور دوسرا اوسکے بیٹے ابو نمی کے لیئے امیر مصلح بیگ کی معرفت بھیجا، اور
حسب انتظام سابق دونوں کو مکہ کی امارت میں شریک کیا۔ قاضی نے شریف برکات کو
علیحدہ خط لکھا، اور تمام واقعات کی اطلاع دی۔ حج کے مہینے آچکے امیر مصلح محمل شریف
مع خلعت و فرمان لے کر جب قریب پہنچے، تو شریف برکات اپنے بیٹے ابو نمی اور دیگر
اشراف و معززین وغیرہ کو لے کر ایک بڑے جلوس کے ساتھ زاہر شریف تک اُس کے
استقبال کو گئے، اور باپ بیٹوں نے خلعت سلطانی کو پہنا، اور مکہ معظمہ واپس آنے
اور لوگوں سے سلطان کی بیعت لی اور سلطان کے نام کا خطبہ پڑھا، اور رضا مندی اور
قبول عام سے لوگوں کی اطاعت حاصل ہو گئی اسکے بعد شریف نے شریف ابو نمی کو سنہ ۹۲۳
میں سلطان کے پاس مصر بھیجا، سلطان نے عزت کی اور بدستور ان کو شریک
امارت رکھا۔"

یہ پہلا دن تھا کہ سلطان سلیم نے عبائے خلافت در برکی اور دنیا کا اتنا بڑا انقلاب اس صلح و آشتی اور رضامندی و قبول عام کے ساتھ انجام پایا اور اسلام کے سب سے بڑے دینی مجمع یعنی موسم حج میں جہاں دنیا کی مسلمان قومیں جمع تھیں اسکا اعلان ہوا اسکے بعد یہ واقعات سننے کے لائق ہیں کہ اس اطاعت و بیعت کے بعد سلطان سلیم نے تین برس کی قلیل مدت میں حرمین کی خدمت گزاری کے کیا فرائض انجام دیئے۔

"امیر مصلح محمل و فرمان شاہی اور خلعت لیکر آئے تھے، سلطان کے حکم سے وہ حج کے بعد بھی مکہ معظمہ میں مقیم رہے، اور بہت سے نیک کام انجام دیئے، جن کا ثواب سلطان کو پہنچے گا، منجملہ ان کے ایک یہ کہ سلاطین مصر کی طرف سے شریف کو جو وظیفہ ملتا تھا، اسپر ۵۰۰ دینار (اشرفی) زیادہ کیا، ایک دفتر قائم کیا، اور اسمیں ان لوگوں کے نام لکھے جو حرم محترم کے مجاور تھے، ان میں سے ہر ایک کا سو دینار وظیفہ مقرر کیا، جو مصر کے خزانہ سے ادا کیا جاتا تھا، اور تیس آدمیوں کی ایک جماعت مقرر کی گئی جو روزانہ قرآن پاک کا ایک ختم پڑھتے تھے، انمیں سے ہر ایک کی بارہ دینار تنخواہ مقرر کی سلاطین مصر ہر سال فاقہ زدہ بدوؤں اور مکہ کے غریبوں کے لئے غلہ بھیجا کرتے تھے اسکو "ذخیرہ" کہتے تھے، سلطان نے اس رسم کو بھی قائم رکھا، اور یہ قرار دیا کہ سات ہزار اردب (ایک بڑا پیمانہ شاید کم و بیش من) غلہ حرمین بھیجا جائے، پانچ ہزار مکہ معظمہ اور تین ہزار مدینہ منورہ، ..... اور تمام علماء مشائخ، اور صوفیوں کے سامنے سلطان کے حکم سے شریف کے حوابدید کے مطابق یہ تقسیم کیا گیا، سب کی رائے سے غلہ

کچھ بھیجا گیا جس سے جدہ سے مکہ تک لانے کا خرچ ادا کیا گیا اور ہر محلہ کے تمام گھر اور تاجروں، بازاریوں اور لشکریوں کے سوا ہر گھر کے عورت، مرد، بچے خادم سب کے نام لکھے گئے۔ اس طرح کل بارہ ہزار آدمیوں کے نام لکھے گئے اور ہر ایک کو ۴۴ پیالہ غلہ دیا گیا، جو غلہ فروخت ہوا تھا اس کے نفع سے ایک دینار بھی دیا گیا، اور چاروں مذاہب کے مفتیوں میں سے ہر ایک کو تین تین اردب غلہ دیا گیا، اور بعض خاندانوں کے مرتبہ کے موافق ان کو کچھ زیادہ دیا گیا۔ شیخ قطبی (مکہ کے ایک مشہور عالم اور معاصر مورخ) کا بیان ہے کہ سلطانی عطیہ محبت کی یہ سب سے پہلی قسط تھی "

اس کے بعد مفتی دحلان شیخ قطبی کا بیان لکھتے ہیں کہ

"تمام مسلمانوں پر عموماً اور اہل حرمین پر خصوصاً واجب ہے کہ آل عثمان کے دوام سلطنت کی دعا مانگیں، کیونکہ ان کی سلطنت شریفہ اسلام کا ستون ہے، اور ان کے احسانات تمام لوگوں کو پہنچتے رہتے ہیں۔ خصوصاً بیت اللہ شریف اور روضہ اقدس نبوی کے ہمسایوں پر ان کے احسانات پے بہ پے ہوتے رہتے ہیں، اور وہ اس قدر ہیں کہ اس سے پہلے گزشتہ سلطنتوں میں انکا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا"

ایک دوسرے مکی شیخ و مورخ ابن علان کہتے ہیں کہ

"مصر لینے کے پہلے ہی سے سلطان سلیم کو اہل حرمین سے بڑی محبت تھی، اور وہ پہلا سلطان ہے جس نے حرمین میں عطیہ محبت جاری کیا"

مفتی دحلان اس کے بعد فرماتے ہیں :-

"بعدازیں دوسرے سلاطین عثمانی غلہ کی مقدار بڑھاتے گئے، یہاں تک کہ اب مکہ معظمہ کے لیئے بارہ ہزار اردب اور مدینہ منورہ کے لیئے سات ہزار اردب غلہ آتا ہے خداوند تعالےٰ اس سلطنت عثمانیہ کی عزت اور بقا کو دوام بخشے"

سلطان نے بعض عمارتوں کا بھی اضافہ کیا، مقام حنفی کی دوبارہ تعمیر ہوئی، سامیر مصلح پھر مدینہ منورہ گئے، اور وہاں بھی نیکی کے کارنامے انجام دیئے، ان اصلاحات اور کرامات کا اثر یہ ہوا، کہ اس خشک اور بنجر اور دائمی مبتلائے قحط ملک میں سرسبزی اور فارغ البالی پیدا ہو گئی، اور لوگوں کی بے انتہا کثرت ہو گئی ہے شیخ قطبی کی حاضر شہادت ہے کہ میں اپنے بچپن میں (یعنی سلاطین مصر کے عہد میں) حرم شریف کو اکثر خالی پالیتا تھا، اور تنہا طواف کا فخر حاصل کرتا تھا اور بازار سعی کو چاشت کے وقت ہم لوگ سنسان دیکھا کرتے تھے، اور اکثر دیکھتے تھے کہ غلہ کے قافلے آئے ہوئے ہیں، اور کوئی ان کا تمام غلہ خریدنے والا نہیں ہے، اس لیئے وہ مجبوراً مدت معینہ کے وعدہ پر غلہ بیچ جاتے تھے اور قیمت بعد کو آکر وصول کرتے تھے، نرخ بہت نرم تھا کہ لوگ بہت کم تھے اور سکے بہت گران تھے، اور اب یہ حالت ہو گئی ہے کہ

"لوگوں کی کثرت ہے، روزی وسیع ہے، دولت زیادہ ہے، مخلوق اس بزرگ سلطنت کے زیر سایہ امن و اطمینان میں ہے اور اس کے انعام و احسان و نعمت کے دریا میں غوطے لگا رہی ہے، اللہ تعالیٰ اسکی دولت قاہرہ کو اور اسکی خلافت باہرہ کو قائم و دائم رکھے"[1]

[1] یہ تمام عبارتیں فتوحات اسلامیہ مفتی دحلان جلد دوم حکومت سلطان سلیم سے نقل کی گئی ہیں،

افسوس کہ ان واقعات کو یہاں زیادہ پھیلانے کا موقع نہیں ورنہ بتفصیل یہ دکھایا جاتا کہ سلاطین عثمانی نے یہاں کیا کیا کارنامے انجام دیئے، کتنے مدرسے یہاں قائم کئے، یہاں کے علماء، ائمہ، مشائخ اور دیگر مجاورین کے وظائف اور مناصب کیونکر مقرر کیے، یہاں کون کون سے چشمے جاری کیے، کتنی بڑی بڑی عمارتیں یہاں بنائیں، بیت اللہ شریف اور روضہ نبوی کی تقدیس و تجلیل اور اہتمام و انتظام اور قافلوں اور حاجیوں کی آسائش و آرام کی کیا کیا تدبیریں کیں، جن صاحبوں کو شوق ہو وہ مکہ معظمہ کی پچھلی تاریخیں مطالعہ کریں اور کم از کم الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام جو تاریخ مکہ میں ایک مشہور کتاب ہے اسکے صفحات کی ورق گردانی کریں ۔

خلافت عثمانیہ
اور
دنیائے اسلام

بہرحال سلطان سلیم نے دنیائے اسلام کو یورپ کے مہلکۂ عظیم سے بچانے کے لیئے اور تمام اسلامی ممالک کو ایک نقطۂ اتحاد پر جمع کرنے کے لیئے جو کام اٹھایا تھا وہ اس حد تک انجام پاچکا تھا کہ ترکمانوں، کردوں اور مملوکوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں ٹوٹ کر ایک بڑی سلطنت میں منضم ہوگئیں اور اس طرح عراق و شام و مصر و عرب اسلام کے اصلی عناصر اب ایک طاقتور خلیفۂ اسلام کے زیر تصرف آگئے۔

یورپ کے صلیبی نبرد آزماؤں کے مقابلہ کے لیئے تنہا بری فوج ناکافی تھی، زیادہ ضرورت بحری فوج اور جہازوں کے بیڑوں کی تھی، چنانچہ سلطان سلیم اور سلطان سلیمان کی ہمت سے یہ مہم بھی سر ہوئی، اور سلطنت عثمانیہ کے ماتحت دنیا کا ایک عظیم الشان بیڑہ ترتیب پاگیا، جس کے جہازات ایک طرف باسفورس کے ساحل سے چلکر بصرہ اور سورت پر آکر دم لیتے تھے، تو دوسری طرف

بحر اٹلانٹک سے گذر کر شمالی افریقہ کے کناروں پر لنگر انداز ہوتے تھے۔

فضل الٰہی جب کسی قوم کے شامل حال ہوتا ہی تو خود بخود ضرورت کے آدمی اس قوم میں پیدا ہونے لگتے ہیں، خیر الدین باربروسہ، طرغوت پاشا، سنان پاشا، سلیمان پاشا، پیری رئیس، سیدی علی، پلیلی پاشا وغیرہ ترکی امیر البحر پیدا ہوگئے، جنہوں نے ہندوستان کے ساحل سے لے کر تونس تک کے کناروں تک تمام دریاؤں اور سمندروں کے گوشہ گوشہ کو ناپ ڈالا۔

یاد ہوگا کہ آغاز مضمون میں مسیحی حملہ آوروں کے چوطرفہ حملوں کا ذکر کیا تھا،

(۱) بحر روم اور اٹلی کے بقیہ صلیبی مجاہدین جنہوں نے روڈس، سائپرس، مالٹا وینس اور جینیوا کو اپنا مرکز بنا رکھا تھا۔ خصوصاً روڈس، سائپرس، اور مالٹا کے سپاہی جو نائٹس آف سینٹ جان کے لقب سے ملقب تھے، اور جن کی شب و روز زندگی کا مقصد ہی مسلمانوں کا قتل و غارت گری تھا، اور جنکو تمام دنیائے مسیحیت اور خصوصاً یورپ کے خزانہ سے برابر گران بہا، مدادیں ملتی رہتی تھیں۔ ان کے جزیرے قلعہ بند اور مضبوط اور توپوں سے مسلح تھے، اور جہازات کا بیڑہ اپنے پاس رکھتے تھے۔

(۲) اسپینی جو اندلس کو تباہ کرکے شمالی افریقہ کی اسلامی ریاستوں کو ایک ایک کرکے نگل رہے تھے، اور طرح طرح کے ایسے عذابوں سے کلمہ گویانِ توحید کو ہلاک کر رہے تھے، جنکے بیان میں مسیحی مورخین کو اب بھی رحم آجاتا ہے۔

(۳) پرتگالی جو مراکش کے سواحل کو برباد کر کے مشرق میں عرب اور ہندستان کے سواحل کو تاخت و تاراج کر رہے تھے

(۴) روسی جو تاتاری ریاستوں کو ایک ایک کر کے ہضم کر رہے تھے،

سلطان سلیم اور اس کے بیٹے سلیمان اعظم اور اسکے پوتے سلیمان ثانی نے دنیائے اسلام کو ان چوطرفہ حملوں سے بچانے کے لیے اپنی بہترین قوت صرف کر دی۔ اس سے پہلے کہ ہم آگے بڑھیں خود مسیحی مورخین کے بیان پر نظر ڈال لینا چاہیئے کہ اسوقت مسیحی دنیا مسلمانوں کی خون آشامی کے لیئے کیونکر اور کس طرح تیار تھی؟ "تاریخ عالم" کے مورخین اس عہد کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں:-

۱۵۲۰ء تا ۱۵۶۶ء کا زمانہ نہ صرف تاریخ عثمانیہ کے لیئے بلکہ تاریخ عالم کے لیئے ایک اہم ترین دور ہے۔ عالم مغرب کی مسیحی حکومتیں ابھی ابھی فیوڈل خطرے سے نکلی تھیں انہوں نے اپنے ذرائع مضبوط، اور اپنی قوتیں مستحکم کر لی تھیں، اب یہ تمام قومیں اس دور سے جسکو ہم عہد متوسط کے نام سے موسوم کرتے ہیں، زیادہ قوت برداشت کے اظہار، اور منتظم قبضہ غاصبانہ کی ترکیبوں کے عمل کے لیئے تیار تھیں۔ اس عہد کے آغاز کے وقت (۱۵۲۰ء) تقریباً چالیس سال گزر گئے تھے کہ آل عثمان وسطی و مغربی یورپ کی سلطنتوں سے برسر پیکار تھے، کمزور بایزید ثانی کے وقت میں یہ یورپین جنگیں عالم مسیحی کی چھوٹی چھوٹی حکومتوں کے خلاف جاری رہیں، اور اس کے بیٹے سلیم کا تمام زمانہ اسلامی اقوام کی فتوحات میں خرچ ہوا۔

ان دو سلاطین کے عہد حکومت میں یورپ کی تمام موجودہ حکومتیں طفولیت سے
نکل کر میدان بلوغت میں داخل ہو چکی تھیں، اسپین نے اپنے ملک سے آخری اسلامی
آثار بھی نکال دیئے تھے، اور تمام مسیحی ریاستوں کو متحد کر کے ایک سلطنت بنالی تھی،
فرانس نے اپنے تین جنگجو بادشاہوں، چارلس ہشتم، لوئیس دوازدہم، اور فرانسس
اول کے ماتحت ان غیر مطمئن اور منتشر قوتوں کو جنکو لوئیس یازدہم نے مجتمع کیا تھا
ممالک غیر پر قبضہ کرنے میں صرف کرنا سیکھ لیا تھا، انگلستان اور اسٹروی
خاندان کی حکومت میں بھی اسی قسم کی مرکزی و اجتماعی ترقیاں شروع ہو گئی تھیں
علاوہ ازیں جہاں پندرہویں صدی کے اختتام پر ان فنون کو جو عالم مسیحی کے
مختلف اقوام کے خزانہ کو آراستہ و مالامال کرتے ہیں، ایک بے مثال و لاجواب عروج
حاصل ہوا تھا، وہاں فن حرب بھی بہت زیادہ ترقی کر گیا تھا، اب بڑی بڑی
مسلح اور مرتب فوجیں مستقلاً رکھی جاتی تھیں، آتشیں اسلحہ کی صنعت اور خصوصاً
توپوں کی بناوٹ اور استعمال کو لوگ اچھی طرح سمجھ گئے تھے، اور یہ چیزیں اکثر
کام میں لائی جاتی تھیں، اور ماہر فن و باہمت افسروں کا ایک اسکول قائم
ہو گیا تھا جسمیں لوگ فن جنگ میں قسطنطنیہ کے گون سلووکے، "گریٹ کیپٹن" کے
طرز پر تعلیم پاتے تھے۔ پندرہویں صدی کے اواخر اور سولھویں صدی کے اوائل
میں جبکہ دور متوسط عہد موجودہ سے منقلب ہوتا ہے، نہ صرف فرانس و اسٹریا
کی اطالیہ کے لیئے رقیبانہ جنگ ہی ایک اہم شے ہے بلکہ دوسرے اور بہت سے

واقعات بھی اس زمانہ کو ممتاز بناتے ہیں۔ یہ تمام واقعات جنگ و جدال ہی سے متعلق نہیں ہیں، بلکہ یہ وہ واقعات ہیں جنہوں نے نہایت مضبوط اور موثر بہادری عالم مسیحی میں پیدا کر دی اور اسلامی قوتوں کے مقابل میں ان کو اور زیادہ مستقل اور قوی تر بنا دیا۔

مشرقی جزائر اور نئی دنیا میں اسپین و پرتگال کے عظیم بحری انکشافات و فتوحات، علوم قدیمہ کا احیاء، ادبیات جدیدہ کا طلوع منور، فن طباعت کی وجہ سے روشن خیالی، سیاحت اور معلومات نو کی ترقی، ان تمام کی تمام چیزوں نے عالم مسیحی کی روح کو زیادہ اور بلند تر ہونے میں مدد دی، تاکہ ان کے جذبات زیادہ باہمت ہوں اور وہ عمل کے وقت تحمل مصائب اور برداشت متاعب کے لیے زیادہ تیار ہیں۔ اس کے علاوہ دوسرے ایسے اسباب بھی موجود تھے جن سے پتہ چلتا تھا کہ اہل فرنگ کی یہ نئی قوت اسلامی ممالک کی فتح کرنے میں کام آئیگی، کیونکہ اس عہد میں بھی مذہبی جوش عام اور تیز تھا، بحری سیاحوں کی محنت فلسفیوں کی جدوجہد، طلبا کی مساعی، مدبرین کی دماغ سوزی اور سپاہیوں کی جانبازی سب کی سب صرف اسی مقصد وحید یعنی عروج صلیب کے لیے تھیں۔ جہاں ایک طرف کولمبس کو بحر زخار کے خطروں میں یہ خیال تھا کہ ان سیاحتوں سے جو کچھ خزانے ہاتھ آئینگے وہ ارض مقدس کو بے دینوں کے قبضہ سے نکالنے کے کام آئینگے، وہیں چارلس ہشتم کے دل میں جبکہ وہ الپس اور نیپلس کے درمیان

جنگ کے میدانوں میں ہوتا یہ جذبہ موجزن تھا کہ وہ فتح اطالیہ کے بعد قسطنطنیہ کو ترکوں سے آزاد کرائے گا۔

اسلام و مسیحیت کے توازن قوت میں ایک انقلاب عظیم کے آثار سولھویں صدی عیسوی کے وسط سے ظاہر ہونے لگتے ہیں کیونکہ ایک بڑی مسیحی حکومت اپنے اطراف کی تمام مضبوط ریاستوں کو ایک حکومت بنا رہی تھی۔ چارلس پنجم نے نہ صرف شارلمین کی اتنی وسیع سلطنت پر حکومت کی، بلکہ دولت و قوت کے لحاظ سے اس سے بہت کچھ بڑھا ہوا تھا، اسکو بلجیم، آسٹریا کی ریاستیں اسپینی متحدہ حکومت نیپلس و سسلی کی خوبصورت ریاست، اور امریکہ کے جدید معلوم شدہ ممالک، وراثتہً ملے تھے، اور انتخاب کے ذریعہ جرمنی کے تخت شاہی کا مالک بنا، اور کورٹیس و پیزارو ن نے اسکو ماوراء اطلانتک کی دو حکومتیں میکسیکو اور پیرو مع اسکی لاتعداد سونے اور چاندی کی کانوں کے دیدیں۔ بہت ممکن ہو کہ لوگوں کو یہ نظر آرہا ہو کہ ان تمام وسیع ممالک کا مالک آل عثمان کا مقابلہ نہ کرسکیگا، کیونکہ فرانس کی حریصانہ رقابت اور جرمنی کا مذہبی اختلاف اسکے لیے بڑی رکاوٹ تھی، لیکن اسکے ساتھ ہی عثمانی حکومت بھی اس بات کے لیئے تیار نہ تھی کہ وہ عالم مسیحی سے جنگ کرے، کیونکہ اسکو بھی انہیں خطرات کا سامنا تھا، ایران رقیب تھا، شیعہ و سنی میں سخت نفرت تھی، اور شام و مصر میں بغاوت کا خوف تھا۔

تاہم خاندان عثمانی اس کامل صدی میں تمام خطرات کے باوجود سربلند رہا اور

اسکی اپنی وسیع سلطنت کے باوجود مسیحی حکومتوں کے خوبصورت و زرخیز صوبے اسکو وسیع تر کرتے رہے، بلاکسی بحث کے کہا جاسکتا ہے کہ اس فضیلت کے اسباب، ان کا مضبوط فوجی نظام، بلند قومی روح، اور ان کے ممالک کے مفید مواقع تھے لیکن عثمانی عظمت کی اصلی وجہ یہ تھی کہ اسپر ایک بڑا آدمی حکومت کر رہا تھا، وہ بڑا اسلیئے نہ تھا کہ حالات و واقعات اس کے موافق تھے اور نہ اس کی عظمت اسلیئے تھی کہ وہ اپنے عہد کی اسپرٹ کا صحیح مصرف لیتا تھا بلکہ اسکی بزرگی اسمیں پوشیدہ تھی کہ حال کا بہترین مصرف لینے والا اور مستقبل کا اعلیٰ ترین دور اندیش شخص تھا"

اندلس اور شمالی افریقہ

اس تمہید کے بعد یہاں سب سے پہلے اندلس اور شمالی افریقہ کا نظارہ پیش کیا جاتا ہے ـ اندلس کی آخری اسلامی حکومت غرناطہ کی ریاست تھی، سنہ ۱۴۹۱ء کو اس ریاست کا خاتمہ ہوا، ۲۵ نومبر سنہ ۱۴۹۱ء کو عہدنامہ پر دستخط ہوئے، اور ایک مدت متعین کر دی گئی، کہ اگر اسکے اندر امن و صلح رہی اور باہر سے کمک نہیں آئی تو اس مدت کے گذرنے کے بعد غرناطہ عیسائیوں کے حوالہ کر دیا جائے گا۔ غرناطہ کے مسلمانوں نے سلطان عثمانی اور سلطان مصر کے پاس اعانت طلبی کے قاصد بھیجے تھے، مگر جب ادھر سے مدد نہ آئی، تو ایک مہینہ کے بعد دسمبر کے آخر میں انہوں نے غرناطہ عیسائیوں کے حوالہ کر دیا اور غرناطہ کا بادشاہ مع

اہل وعیال اور خدم وحشم کے اندلس کی سرزمین سے نکلکر مراکش چلا گیا۔ شرائط معاہدہ میں اگرچہ مسلمانوں کی کامل مذہبی آزادی کی دفعہ شامل تھی لیکن اسپر بہت کم عمل کیا گیا، یا تو انہیں قتل کرڈالا گیا، یا جبراً عیسائی بناڈالا گیا، یا وقتاً فوقتاً ان کو ملک سے جلاوطن کیا گیا۔ اس اخراج کا سلسلہ تقریباً سواسو برس تک قائم رہا، یعنی مسلمانوں کا آخری قافلہ ۱۶۱۰ء (مطابق ۱۰۱۹ھ) میں اس ملک سے نکالا گیا، جہاں نوسو برس تک انھوں نے اقامت کی تھی، ان حشر انگیز واقعات پر آج تین سو برس سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے، تاہم تمام دنیائے اسلام آجتک اس کے ماتم میں سوگوار ہے۔

اسپین نے اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ تمام عیسائی دنیا کی ہمدردی واعانت اور یورپ کی برکات اور دعاؤں کے جلوس میں مراکش، الجزائر، تونس اور طرابلس تک وہ مسلمانوں کے نقش قدم کو دیکھتے چلے آئے۔ اسپین کی ایک ریاست پرتگال تو دریاؤں کو چیر کر موروں (مسلمانوں) کی تلاش میں ایشیائی سواحل تک چلی آئی: بحر روم وشام کے سواحل مصر سے لے کر اٹلی تک عیسائی بہادروں کے جہازات مسلمانوں کا ناکہ روکے کھڑے تھے۔

جس وقت غرناطہ کا تخلیہ ہوا ہے، قسطنطنیہ کے تخت پر سلطان سلیم کا باپ بایزید ثانی جلوس فرما تھا، گویہ ایک اپاہج اور کمزور سلطان تھا، اسپر بھی اول تو تری یا خشکی کا کوئی راستہ ایسا نہ تھا جس سے اندلس کے مسلمانوں کو وہ مدد پہنچا سکتا،

دوسرے ایک دو مہینہ کی مدت میں وہاں ترکی فوجیں پہنچ بھی نہیں سکتی تھیں، تین برس میں تو ہندوستان سے قسطنطنیہ قاصد پہنچے ہیں، غالباً اس سے کم زمانہ اندلس سے تمام افریقہ کو طے کرکے اور مصر و شام کو عبور کرکے روم پہنچنے کے لئے نہیں چاہیئے اور پھر وہاں سے ایک عظیم الشان فوج کی روانگی اور درمیان کے روکنے والے ملکوں کو فتح کرکے یا دریا کے راستہ سے قبرص، رُوڈس، مالٹا، اور وینس و جینوا کی بحری حکومتوں کی ناکہ بندیوں کو توڑ کر وہاں پہنچنے کے لیئے ایک زمانہ دراز درکار تھا۔

تاہم یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلطان سلیم کے دل میں اپنے باپ کے خلاف جو جذبات اُمنڈ رہے تھے اور جو ولولے اٹھ رہے تھے ان میں دنیائے اسلام کی اس پراگندگی و تباہی کا غم و غصہ بھی کچھ کم نہ تھا، اور آخر اسی غم و غصہ کی حالت میں سلیم نے باپ کے خلاف بغاوت کی، مگر ناکام رہا، لیکن چونکہ فوج کا بڑا حصہ اُسکا طرفدار تھا، اسلیئے بایزید خود اسکو اپنی جگہ پر بٹھاکر آپ الگ ہوگیا۔ یہ ۹۱۸ھ کا واقعہ ہے، اب سلطان سلیم کو اپنے ارادوں کے حیز عمل میں لانے کا موقع ملا، چنانچہ اس نے سب سے پہلے اسلام کے اصلی عناصر کو اپنے میں شامل کیا جسکی تفصیل پہلے گزر چکی ہے، اسکے بعد اسکو دو افتادہ اسلامی ملکوں کی طرف توجہ کرنے کی فرصت ہاتھ آئی۔

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ نہ تو بحری راستہ سے اور نہ خشکی کے راستہ سے ترک اپنی فوجیں اسپین کے مقابلہ میں لا سکتے تھے، اسکے لیئے اللہ تعالیٰ نے مظلوموں کی بیکسی، بیچاروں کی فریادرسی، اور بیکسوں کی یاوری کے لیئے خود آذر کے خانوادہ سے ابراہیم کو پیدا کیا۔

سلطان کی رعایا میں سے ایک نو مسلم خاندان غالبًا البانی اور رومیلی، یونانی جزیروں میں سکونت پذیر تھا، جہازرانی اور بحری تجارت پیشہ تھا، باربروسہ (سرخ ڈاڑھی والے) کے نام سے یہ مشہور ہوا۔ یہ چار بھائی تھے، اروج، اسحاق، خضر، الیاس، خضر بعد کو خیر الدین کے نام سے دنیا میں روشناس ہوا، اور سب سے زیادہ نامور ہوا، اروج، اور الیاس روڈس کے صلیبی سپاہیوں سے جن کا لقب "نائٹس آف سینٹ جان" تھا دست و گریبان ہوئے، الیاس اس لڑائی میں مارا گیا، اور اروج قید ہو گیا۔ اور بالآخر ایک ترکی افسر کی مدد سے رہا ہوا، اور پھر بدستور وہ سمندر میں آزاد تھا سلطان سلیم کے زمانہ میں بقیہ یہ تینوں بھائی اروج، اسحاق اور خیر الدین عیسائی جہازرانوں سے بچکر کسی طرح شمالی افریقہ کے سواحل پر پہنچ گئے، یہاں آکر انھوں نے دیکھا کہ مسلمان اسپین میں گرفتار مصائب ہیں، مراکش کے سواحل اور الجزائر، تونس، طرابلس کی اسلامی سلطنتیں حالت نزع میں ہیں، اور اسپینی گدھ ہر طرف سے ان پر منڈلا رہے ہیں۔

باربروسہ نے اپنے ٹوٹے پھوٹے جہازوں کے بیڑے کو درست کیا، اور سلطان سلیم کے نام کا جھنڈا بلند کیا، اور سلطان نے بھی اسکو اپنی اعانت اور نیابت کا شرف بخشا، سلطانی دستگیری سے مطمئن ہو کر وہ سمندر میں اسپین کی بحری قوت کے مقابلہ کو اترا، ستر ہزار بے خانماں اندلسی مسلمان جلا وطنوں کو اس نے اسپین سے لے کر افریقہ پہنچایا، یہ یہاں اسکی فوج کے سپاہی بن گئے، اور دونوں نے مل کر سواحل اسپین پر متواتر بحری حملے شروع کر دیئے اور خلیج گابس کے جزیرہ جربہ کو اپنا مستقر بنایا۔ اسی اثنا میں متفرق طور سے

ترک وقتے یکے بادیگرے پیچ بچکر آنے لگے، ۱۵۱۳ء میں انھوں نے بوگی (BOGIE) کو اسپینوں سے لینا چاہا مگر ناکام رہے، ۱۹۱۴ء میں جنیوا والوں سے جیجلی (JIJILLI) کو چھین لیا، ۱۵۱۵ء میں دوبارہ انھوں نے برگی پر حملہ کیا، اور ناکامی ہوئی، اسی سال الجزائر کے مسلمان اسپین کے خلاف ان سے مدد کے طالب ہوئے، انھوں نے آکر اسپینیوں کو الجزائر سے نکالدیا، اور اس طرح الجزائر میں آکر ان کے پاؤں ٹکے، اور یہاں خشکی میں بھی انھوں نے قوت پیدا کرلی، اسکے بعد تلمسان جاکر اسپینیوں سے لڑے مگر کامیاب نہ ہوئے۔

خیرالدین کا ستارۂ اقبال بلند تھا، اسکے بحری کارناموں نے سلطان سلیم کو اپنی طرف متوجہ کرلیا، سلطان نے اسکو اپنے عہدہ داروں میں داخل کرلیا، اور اسکو خلعت اور علم اور بیلربے کا خطاب دیا، اور کچھ کشتیاں بھیجیں ۱۵۱۹ء میں اس نے اسپین کے الجیریا پر ایک اور حملہ کو رد کردیا، مگر ۱۵۲۹ء تک ساحل سے اسکو ہٹا نہ سکا، الجیریا کے سامنے ایک جزیرہ تھا، جسپر چودہ برس سے اسپین والوں نے قبضہ کر رکھا تھا، اسکو ان سے چھڑایا، اور ایک پورے اسپینی بیڑے کو گرفتار کرلیا۔ خیرالدین برابر اپنے کاموں کی رپورٹ قسطنطنیہ بھیجا کرتا تھا، اور وہاں سے جو احکام آتے تھے ان کے مطابق عمل کرتا تھا۔

سلطان سلیم کی جگہ اب سلطان سلیمان تخت عثمانی پر جلوہ فرما تھا، اسکے عہد میں دو اور ترکی امیر البحر جہازی میدان میں اترے، یعنی غوث پاشا اور پیلی پاشا

طرغوت نے اپنا کارنامہ نہایت چھوٹے درجہ سے شروع کیا، پہلے یہ ترکی بیڑے میں ایک معمولی ملاح تھا، اسکے بعد تین جہازوں کا افسر ہوا، پھر اس نے تیس[۳۰] کشتیوں کا ایک بیڑہ بنا کر جزیرہ کورشیا پر حملہ کیا، لیکن وینس اور جنیوا کے امیر البحر نے اسکو گرفتار کر لیا، اور آخر باربروسہ کی دھمکی سے اسکو آزادی ملی، اور پھر باربروسہ کے ساتھ ملکر اس نے بھی اسپینیوں اور اٹلی والوں پر حملہ کرنا شروع کر دیا، اور صرف ہنس جہازوں کے ایک مختصر بیڑے سے اٹلی اور اسپین کے ساحلوں میں تہلکہ برپا کر دیا،

پلیلی پاشا کا کارنامہ بھی کسی سے کم درجہ نہیں، اس نے اوران کو فتح کیا، اور ۱۵۶۰ء میں عیسائی دنیا کی متفقہ بحری قوت کو جو طرابلس اور اسلامی جزیرہ جربہ کے مقابلہ میں جا رہی تھی شکست فاش دی، یہ عیسائی بیڑا دو سو جہازوں پر مشتمل تھا، اور اسمیں خاص پوپ کے حکم سے جنیوا، فلارنس، مالٹا، سسلی، نیپلس، اور منوقہ کے عیسائی امراء کے جہازات یکجا تھے، یہ متحدہ عیسائی بیڑا اپنے زمانہ کے ایک مشہور عیسائی امیر البحر کے ماتحت تھا بیڑا خیر و خوبی کے ساتھ جربہ تک پہنچ چکا تھا، اور عیسائی فوجیں خشکی میں اتر چکی تھیں کہ پلیلی پاشا کو اسکی خبر ملی وہ فوراً اپنا بیڑا لے کر دردانیال کے ساحل سے توکلاً علی اللہ چل کھڑا ہوا، اور جھپٹ کر عیسائی بیڑے کو اس نے آلیا، اور اسکی قوت کو پارہ پارہ کر دیا[۵]

صلیبی مجاہدین کا سب سے بڑا بحری مرکز جزیرہ روڈس تھا جہاں پوپ کی سرپرستی میں تمام عیسائی دنیا کی مالی اعانتیں آتی تھیں، اور ان سے یہاں ایک زبردست بحری

---

[۵] یہ تمام واقعات حرف بحرف انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا طبع جدید مضمون باربروسہ اور مورخین کی تاریخ عالم جلد ۲ کی فصل بحری طاقت سے ماخوذ ہیں،

فوج اور ایک طاقتور بیڑا تیار کیا گیا تھا، اُس کے قلعے لوہے اور پتھر سے اس قدر مضبوط بنائے گئے کہ فوج کا ساحل تک پہنچکر بھی شہر کے اندر جاکر ان کی فوجی قوت کو توڑنا مشکل تھا، توپوں اور بندوقوں اور دیگر اسلحۂ حرب سے اسکے ایک ایک گوشہ پر گویا ملک الموت کا پہرہ تھا، بڑی بڑی زنجیروں سے سمندر میں گویا قفل ڈالدیئے گئے تھے، تمام عیسائی دنیا کی طرف سے ان صلیبی مجاہدوں کو یہ خدمت سپرد تھی کہ وہ اسلامی جہازوں کو اِدھر سے اُدھر نہ جانے دیں، ان کے تجارتی جہازوں کو لوٹ لیں، اور نہ صرف یہی کہ اسلامی فتوحات کے سیلاب کو آگے نہ بڑھنے دیں، بلکہ اس دروازہ پر پہرہ دیتے رہیں اور دیکھتے رہیں کہ ارضِ مقدس کی نگہبان طاقت کب غفلت میں ہو کہ اس پر حملہ کیا جاسکے، مسلمان ان مذہبی ڈاکوؤں کے حملہ سے عاجز آگئے تھے۔ حج کے لیے بھی نہیں نکل سکتے تھے، جو مسلمان ان کے ہاتھوں میں پڑجاتے وہ لونڈی غلام بناکر بیچ ڈالے جاتے[۱]۔

رجب ۹۲۸ھ میں سلطان سلیمان دو لاکھ فوج اور ۳۰۰ جہازوں کا بیڑا لے کر جن میں ۴۲ مصر کے جہاز تھے قسطنطنیہ سے نکلا، اور روڈس کا محاصرہ کرلیا، روڈس کے بہادروں نے فرانس اور اسپین سے کمک طلب کی، پوپ نے بھی ان کو بتاکید لکھا، مگر دونوں میں سے کسی نے انکی مدد نہ کی، مہینوں کے محاصرہ اور بیشمار مسلمانوں کی قربانی کے بعد جزیرہ فتح ہوا، مسلمانوں کو اس سے بہت خوشی ہوئی اور "یفرح المؤمنون بنصر اللہ"

---

[۱] دیکھو فتوحات اسلامیہ مفتی دحلان اور الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام ذکر سلطنت سلطان سلیمان فتح جزیرۂ رُوڈس

اسکی تاریخ ہوئی۔ کثیر التعداد مسلمانوں کو جو سالہا سال سے ان لوگوں کے ہاتھوں میں قید تھے، اور جو اپنی آزادی سے تقریباً مایوس ہو چکے تھے، ان کو خدا نے اپنے فضل و عنایت سے خلیفۂ اسلام کی فاتح فوجوں کی معرفت آزادی کا پیام سنایا، شرائط کے مطابق سینٹ جان کے بہادروں کو اپنا یہ مستقر چھوڑنا پڑا، پوپ نے ان کے سردار اور ان کے چار ہزار نائٹوں کو اٹلی میں جگہ دی، پھر اسپین نے ان کو مالٹا میں لا کر بدستور اُن کا دوسرا بحری مستقر بنا دیا۔

اب مسلمان فوجوں کے لیئے دریائی راستہ کے خطرات کچھ کم ہو گئے، اور اسپین کے مقابلہ کے لیئے ان کا جانا ممکن ہوا۔ خیر الدین پاشا الجزائر کے بعد تونس کو بھی اسپینوں کے دستبرد سے بچا کر سلطان اسلام کے زیر تصرف لے آیا، طرغوت پاشا نے طرابلس سے اسپینیوں کو باہر کیا، اور اس طرح افریقہ کے یہ صوبے دشمنان اسلام کے پنجوں سے آزاد ہوئے۔

ان مقامات پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لیئے اسپینیوں نے بڑی بڑی کوششیں کیں مگر تونس کے سوا ہر جگہ ناکامی ہوئی، تونس کا سابق حفصی سلطان اسپینیوں سے سازباز کر کے ان سے مل گیا تھا، اسپینیوں نے تونس کے سواحل حلق الوادی پر اپنے جہازی مورچے اور بحری استحکامات قائم کر لیئے تھے، یہیں سے ان کے بیڑے نکل نکل کر دشمنوں پر حملے کرتے تھے حفصی سلطان بھاگ کر وہیں چلا گیا، اسپین کی جو فوج مالٹا کے مجاہدین کو لے کر اسکی مدد کو آئی تھی، وہ اپنے ساتھ

شہنشاہ اسپین کا شرائط نامہ بھی لائی تھی، شرائط نامہ کو پڑھ کر سلطان کے ہوش اڑ گئے، اسکا ماحصل یہ تھا کہ حفصی سلطان برائے نام سلطان رہیگا لیکن حکومت کے تمام اختیارات اسپین کو رہیں گے، اسپین کی فوج نے تونس پر حملہ کیا، خیر الدین پاشا کی چھوٹی سی فوج نے شکست کھائی، پاشا لڑتے بھڑتے تونس سے نکل کر قسطنطنیہ چلا گیا، اور اسپین نے تمام ملک پر قبضہ کر لیا، قبضہ کے ساتھ اس نے وہ تمام کھیل کھیلنے شروع کر دیئے جو اندلس میں کھیل چکا تھا، مسلمانوں کا قتل عام، عمارات اور مساجد کا انہدام، کتبخانوں کی بربادی، عورتوں کی آبروریزی، لوگوں کو جبراً عیسائی بنانا، جامع مسجدوں کو گرجوں کی شکل میں تبدیل کرنا۔ لکھا ہے کہ اتنی کتابیں برسر راہ پڑی تھیں کہ جامع مسجد تک کتابوں کے ڈھیروں کو روندے بغیر آدمی نہیں پہنچ سکتا تھا، اذان کے مناروں میں کلیسا کے گھنٹے لٹکائے گئے، مسلمانوں کے مکانات اور جائدادیں زبردستی چھین چھین کر عیسائیوں کو دی جانے لگیں، ابن ابی دینار تونسی مورخ نے بڑے دردناک واقعات لکھے ہیں۔

غرض چند ہی سالوں میں اسلام اپنے وطن میں غریب الدیار ہو گیا، اسپینو کی اس چیرہ دستی کا اثر آس پاس کے ترکی اسلامی مقبوضات پر پڑنے لگا، قیروان میں حیدر پاشا تھا وہ مرعوب ہو چلا تھا لیکن شہر کے اعیان و علماء نے اسکی ہمت بندھائی، آخر خدا نے قیروان کے مسلمانوں پر اپنی سکینت نازل کی اور انھوں نے تمام افریقہ میں جہاد عام کا اعلان کر دیا، الجزائر و طرابلس سے جوق

جوق مسلمان مجاہدین جمع ہو گئے، قیروان، طرابلس اور الجزائر کے ان اسلامی
مجاہدین نے مل کر تونس کا رخ کیا، اور اسپینیوں سے جا کر ٹکرائے لیکن چونکہ اسپینیوں
کی مدد کو دم بدم تازہ فوجیں آتی رہتی تھیں، مرتد عرب قبائل بھی ان کا ساتھ
دے رہے تھے، اس لیئے ان اسلامی مجاہدین کو شکست نہیں ہو رہی تھی تو وہ
کامیاب بھی نہیں ہوتے، کچھ دنوں کے بعد ان کی ہمتوں میں پستی اور ارادوں میں سستی
آنے لگی، اور آخر ایک دن انھوں نے ارادہ کر لیا کہ وہ شب کے وقت اپنے مورچوں
کو خالی کر کے اپنے اپنے ملکوں کو ناکام لوٹ جائینگے، یہ ارادہ ہی تھا کہ سمندر کے افق
سے ایک عظیم الشان فوجی بیڑا ساحل کو آتا نظر آیا، فریقین کو یقین تھا کہ یہ اسپین کا
نیا بیڑا کمک کو آیا ہے، مسلمان مجاہدین نے کل کے فرار کا عزم بمصمم کر لیا،
لیکن پردۂ شب میں معلوم ہو گیا کہ یہ کوکبۂ اسلام مغرب کے بجائے مشرق
سے طلوع ہوا ہے، یعنی قسطنطنیہ سے عثمانی بیڑہ مسلمانوں کی امداد کو آیا ہے ساحل
کے چند مسلمان ملاح یہ بشارت نامہ لے کر جب شکستہ دل مجاہدین کے خیموں میں
پہنچے، تو ایکبار سب کے دلوں سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند ہو گیا، علی پاشا اور سنان پاشا
اس بیڑہ کے اعلیٰ افسر تھے، چھوٹے بڑے ڈیڑھ ہزار جہاز بیڑہ میں شامل تھے،
جس دن یہ بیڑا قسطنطنیہ سے روانہ ہوا، ساحل پر مسلمانوں نے بڑی امیدوں
کے ساتھ اسکو رخصت کیا۔

نصرت الٰہی کا کرشمہ دیکھو کہ عین اسی صبح کو قیروان سے حیدر پاشا اور طرابلس سے

مصطفےٰ پاشا فوجیں لے کر تونس پہنچ گئے، اور اس طرح خشکی اور سمندر دونوں طرف سے مجاہدین بنی عثمان نے اسپینیوں پر حملے کئے۔ اسپینیوں نے سخت خونریزی اور معرکوں کے بعد شہر کو خالی کر دیا، اور اس مشہور قلعہ میں پناہ لی جس پر ۹۳۷ھ میں انھوں نے قبضہ کیا تھا، اور پورے ۴۳ برس اسکی تعمیر میں مصروف رہے تھے، ترک مجاہدین نے ۳۳ ہی دن میں اس قلعہ کو فتح کر لیا اس قلعہ کی فتح میں ترکوں نے بہادری اور فنونِ جنگ میں مہارت کا جو کمال ظاہر کیا، افریقی مورخین نے اسکی بڑی داد دی ہے، اور اس طرح سخت و شدید معرکوں اور سینکڑوں ہزاروں ترکوں کی عزیز قربانیوں کے بعد کفر کی قوت کا گھنگور بادل تونس کی سرزمین سے پھٹ گیا، اور کلمۂ اسلام نے دوبارہ اس ملک میں فروغ پایا۔

تونس کے مسلمان مورخ ابن ابی دینار نے اس واقعہ کو جس مسرت اور شادمانی سے ادا کیا ہے، ظلم ہوگا اگر اس موقع پر ہندوستان کے مسلمانوں کے کان آج ان سے آشنا نہوں، مورخ مذکور کہتا ہے:-

"اللہ تعالیٰ اس سلطنت عثمانیہ کی عزت کو دوام بخشے کہ اس سے مسلمانوں کی عزت کو دوام نصیب ہو، اور اسکی تلوار کی دھار کو مشرکوں اور منافقوں کی گردنوں کی کاٹنے والی بنائے ....

اگر اللہ تعالیٰ اس عظیم الشان بادشاہ کے ذریعہ سے اس ملک کو نہ بچاتا تو کفر اس کے تحصول پر مستولی ہو جاتا، اور اسمیں کوئی مسلمان باقی نہ رہتا" (صفحہ ۱۸۳)

چونکہ ترکوں کا یہ بیڑا عین وقت پر تونس پہنچا تھا، اسلیئے لوگوں میں اسکے متعلق عجیب و غریب تخیل پیدا ہو گیا تھا، بعض تو یہ کہتے ہیں کہ یہ اصل میں غرناطہ کے مسلمانوں کی اعانت کے لیئے نکلا تھا، مگر جب یہ معلوم ہوا کہ غرناطہ کا خاتمہ ہو گیا تو وہ ادہر چلا آیا، بعض یہ کہتے ہیں کہ تونس کی خاک میں محرز بن خلف جو ایک بزرگ آسودہ ہیں، انھوں نے سلطان کو خواب دکھایا اور یہاں فوج بھیجنے کی ہدایت کی، بہر حال واقعہ یہ ہے کہ ترکوں کا یہ کارنامہ دنیائے اسلام ابدالآباد تک یاد رکھیگی۔

اسپین سے بدلہ لینے کا اللہ تعالی نے ایک اور نیا سامان پیدا کر دیا، اسلام کی خونریزی وسفاکی میں اس نے جو جوہر کمال دکھایا تھا، اس نے اسکو پوپ کی نظروں میں بہت عزیز و محبوب بنا دیا تھا، اس لیئے اسکو آسٹریا، جرمنی بلکہ اٹلی تک کے علاقے مل گئے تھے، یہاں تک کہ جنوآ، فلارنس، سسلی، اور وینس تک اس کے ماتحت تھے، امبراطور یعنی شہنشاہ اسکا لقب قرار پایا تھا فرانس اسکی اس وسعت کو دیکھ کر گھبرا رہا تھا، ناچار اس نے آل عثمان کے دامن میں آکر پناہ لی، خیر الدین پاشا جو اسپینوں کے حملہ سے بھاگ کر تونس سے نکلا تو راستہ میں اسپینوں پر بحری حملے کرتا ہوا جزیرہ مینورقہ کو ان کے ہاتھوں سے چھینکر سیدھا قسطنطنیہ آیا سلطان نے فرانس کی حمایت کے دعوی کی بنا پر اسپینی مقبوضات اور استحکامات پر بحری و بری دونوں طرف سے حملے شروع کیے،

لے فتح تونس کے یہ تمام واقعات المونس فی اخبار افریقیہ و تونس لابن ابی دینار مطبوعۂ تونس سے ماخوذ ہیں،

ہنگریا اسپین کا حلیف تھا اور اسپین کے مملوکات آسٹریا تک پھیلے تھے سلطان نے خشکی کی طرف سے ہنگریا پر حملہ کیا اور اسکو پامال کرکے اسٹریا کے پایۂ تخت تک پہنچ گیا، فرانس نے دوسری طرف سے اسپین پر حملہ کیا، خیر الدین نے اسپین کے مملوکہ جزیروں اور بحری استحکامات پر بے پناہ ضربیں لگانا شروع کیں، بحر الجزائر میں وینس سے تقریباً تمام جزیرے چھین لیئے، اور اہل اسپین سے کولروں کو دوبارہ لے لیا، اور ۱۵۳۸ء میں ایک مختصر سی بحری طاقت کے ساتھ پوپ وینس اور شہنشاہ اسپین کے متفقہ بیڑے کو ہزیمت دی، اور اس فتح میں بحری جنگ کا وہ کمال نمایاں کیا جسکی بعد میں نلسن وغیرہ نے تقلید کی۔ ۱۵۴۱ء میں اسپین نے الجزائر پر پھر حملہ کرنا چاہا تو سلطان سلیمان نے ایک بیڑہ دے کر خیر الدین کو ادھر بھیجا۔ سن چکے ہو کہ فرانس کی مدد کے لیئے جب سلطان نکلا تو خیر الدین عثمانی بیڑہ کی کمان اپنے ہاتھ میں لے کر فرانسیسیوں کے ساتھ اسپین اور اسکی زبردست اٹالین ریاستوں سے ہنگامہ آرا ہوا اور فرانسیسی بیڑہ کی بدترتیبی کے باوجود اس نے دشمنوں کو زیر کیا۔

فرانس جسکو کیتھولک فرقہ کا فرزند اول ہونے کا فخر حاصل تھا، اسکا خلیفہ اسلام کے زیر سایہ ہو کر اپنے زمانہ کی مشہور محبوب مسیحی سلطنت اسپین کی بربادی کا تہیہ کرنا ایک ایسا واقعہ تھا، جس نے اسکو مسیحی دنیا میں بدنام کر دیا، اور آخر اسکو مسلمانوں کی اعانت و امداد سے دست برداری داخل

کرنا پڑی، مگر با ایں ہمہ اس نے سلطنت عثمانیہ سے معاہدوں کی وہ دستاویز حاصل کرلی جو آج یورپین قوموں کے امتیازات مخصوصہ کی صورت میں ٹرکی کے لئے بلائے مبرم ثابت ہو رہی ہے۔

۹۳۷ھ میں سنان پاشا نے جزیرۂ جربہ پر جو اسپینیوں کے قبضہ میں ہو گیا تھا، اور افریقہ کے لئے بمنزلہ صدر دروازہ کے تھا، حملہ کیا، تین مہینے کے محاصرہ کے بعد جزیرہ فتح ہوا، اسپین نے جلکر الجزائر کے عثمانی سواحل اور ترکی جہازات پر حملہ کر دیا، سلطان نے اسکے مقابلہ میں مالٹا پر فوجکشی کی، مالٹا کو اسپین نے جیسا کہ پہلے پڑھ چکے ہو، مسیحی صلیبی مجاہدین کا مستقر بنایا تھا، ۹۷۳ھ میں سنان پاشا ۱۸۱ جہازوں کا بیڑہ لے کر مالٹا روانہ ہوا لیکن تیز و تند حملوں اور سخت و شدید محاصروں کے باوجود جزیرہ فتح نہ ہوا، اس جنگ میں سینٹ جان کے مسیحی مجاہدین نے مسیحی اخلاق کا بہترین نمونہ یہ دکھایا کہ اسیر قیدی مسلمانوں کے سر کاٹ کر توپوں میں بجائے گولوں کے رکھ کر ان کے بھائیوں کی گود میں پھینکے۔

سلطان سلیمان کے بعد سلطان سلیم ثانی نے وینس کے مقبوضہ جزیروں پر جو ایک طرف مصر و شام کا سلسلہ جوڑتے تھے تو دوسری طرف شمالی افریقہ کے اسلامی ممالک کا راستہ روک رہے تھے، فوج کشی کی، ۹۷۸ھ (۱۵۷۰ء) میں پیلی پاشا اور مصطفےٰ پاشا نے قبرص (سائپرس) پر حملہ کیا، اور وینس سے

چھین لیا، یہاں سے لوٹ کر کریٹ کے ساحل پر مسلمانوں نے ڈیرے ڈال لے،
عثمانی بیڑہ میں ۳۰۰ جہاز تھے، مگر جہازوں کے لئے بحری موسم چونکہ اچھا نہ تھا
اسلئے کریٹ کا محاصرہ چھوڑ کر واپسی کا ارادہ کیا۔ موسمی ہوا کی موجوں سے عثمانی بیڑہ
منتشر ہو گیا، ادھر عیسائیوں کا ایک متحدہ بیڑہ تیار ہو رہا تھا، جسکی کمان شہنشاہ
اسپین کے اس ناجائز لڑکے کے ہاتھ میں دی گئی جس نے مسلمانان اندلس کے
قتل و خونریزی میں بڑی ناموری حاصل کی تھی، یہی بیڑہ اس اسپین کے ۱۴۰
وینس کے اور ۱۳ پوپ کے اور ۹ مالٹا کے مسیحی جانبازوں کے جہاز تھے، ان
جہازوں نے اچانک نمودار ہو کر اسلامی بیڑہ پر حملہ کیا، باوجود بے ترتیبی کے
فرار کے بجائے مسلمانوں نے دشمنوں کے مقابلہ کو ترجیح دی، لیکن ان کو شکست
ہوئی، ان کے ۱۳۰ جہاز عیسائیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئے، اور ۹۴ جہاز ڈوب
گئے ۔۔ ۲۰۰ توپیں دشمنوں نے لے لیں اور تین ہزار مسلمان گرفتار ہو گئے، تمام
عیسائی دنیا میں اس فتح پر بڑی خوشی منائی گئی، اور اسپین نے اس دن کو
یوم العید اور قومی و مذہبی روز جشن قرار دیا، جسمیں ہر سال اسکی یادگار میں خوشی
منائی جانے لگی، پوپ نے سینٹ پیٹر کے گرجے میں جاکر تقریر کی اور ناجائز
شہزادہ کا شکریہ فتحمندی ادا کیا

اس حادثہ کی خبر جب قسطنطنیہ پہنچی تو مسلمانوں کو سخت رنج ہوا، اور غصہ
میں آکر چاہا کہ عیسائیوں پر حملہ کر دیں لیکن سلطنت نے بڑی حکمت و دانائی سے

اس کا انتظام کیا، اور اسی سال عثمانیوں نے ۹۷۰ ہجری جہازوں کا ایک اور بیڑہ تیار کر لیا۔ ابھی یہ نکلا بھی نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انتقام معنوی کا ایک اور سامان کر دیا یعنی اسپین اور وینس کا اتحاد ٹوٹ گیا وینس نے اپنے بعض جزیروں کو نذر دیکر ٹرکی سے صلح کر لی، اسپین نے تونس کا رخ کیا، لیکن تھوڑے دنوں کے بعد وہاں اس کا جو حشر ہوا وہ پہلے سن چکے ہو، اسی اثنا میں اسپین کا ایک نیا دشمن انگلستان نکل آیا، اس نے بھی اسپین کی بحری قوت کے مقابلہ کیلئے سلطنت عثمانیہ سے درخواست کی اور آخر انہیں لڑائیوں میں اسپین کی حوصلہ مندیوں کا خاتمہ ہو گیا۔[۱]

اب افریقہ کی تمام اسلامی ریاستیں، الجزائر، طرابلس، تونس، تلمسان، قیروان دولت عثمانیہ کے زیر سایہ تھیں، اور خلیفہ عثمانی کا نام ہر جگہ خطبوں میں پڑھا جاتا تھا، اور اسوقت سے لیکر آجتک پڑھا جاتا ہے، مونس فی الاخبار تونس (صفحہ ۱۸۹) میں ہے،

ترنم الخطباء علی المنابر باسم السلطان العثمانی اور خطبوں کی ممبروں پر سلطان عثمانی کے نام کا خطبہ پڑھا،

شمالی افریقہ میں اب صرف ایک سلطنت مراکش رہ گئی تھی، اس کے سواحل پر گو اسپین و پرتگال نے قبضہ کر لیا تھا مگر اندرون ملک محفوظ تھا، ایک ترکی امیر آلجیر

---

[۱] یہ واقعات تاریخ دولت عثمانیہ فریدبے، اور مورخین کی تاریخ عالم، سے ماخوذ ہیں

نے ان سواحل سے بھی ان کو نکالنا چاہا، مگر چونکہ خود اہل مراکش سے ان کو مدد ملسکی اس لیئے زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔ پہلے یہ بتایا جاچکا ہے کہ اسوقت مراکش میں دو مسلمان خاندان وطاسین اور سعدیین حکومت کے لیئے باہم دست وگریبان تھے، اور پرتگالی آہستہ آہستہ سواحل پر قبضہ کرتے جاتے تھے، اسی دوران میں افریقہ کے دیگر سواحل سے عثمانی مجاہدین مسیحی فوجوں کو نکال چکے تھے، ایک درویش وعالم خاندان نے جہاد کے نام سے اپنا جھنڈا بلند کیا اور لوگ ان کے چاروں طرف آکر جمع ہو گئے یہ سلطان شیخ سعدی تھے۔ ابوحسن وطاسی بادشاہ مغرب نے ان سے بھاگ کر الجزائر میں ترکوں کے ہاں پناہ لی، اب سلطان شیخ کو یہ فکر ہوئی کہ کس طرح ان مقامات سے ترکوں کو نکالا جائے، تلمسان خیرالدین پاشا کے بیٹے حسن پاشا کے ہاتھ میں تھا سلطان شیخ نے حملہ کیا اور نو مہینے کے محاصرہ کے بعد فتح کیا لیکن ترکوں نے پھر بہت جلد اسکو واپس لے لیا، سلطان شیخ نے دوبارہ حملہ کرنا چاہا، چونکہ سلاطین عثمانی کے پیش نظر جیسا کہ ہمارے ناظرین واقف ہیں، ایک اور نقشہ جنگ تھا اسلیئے مسلمان سلطنتوں کی باہم منازعتیں ان کو ناپسندیدہ تھیں اسلیئے ترکوں نے اپنی طرف سے امام ابوعبداللہ الخروبی الطرابلسی ان اطراف کے ایک مشہور عالم کو سلطان شیخ کے پاس بھیجا، اور صلح وآشتی کا پیام دیا، سلطان شیخ نے امام کا خیر مقدم کیا لیکن مصالحت کے پیام کو نا منظور کر دیا۔

ابوحسن وطاسی نے سلاطین بنی عثمان کی حمایت اور خطبہ اور سکہ قبول کر لیا،

گویا خلافت تسلیم کرلی اسلیئے ترکوں نے وطاسی کو مدد دی، اوران کی مدد سے وہ ۹۶۱ھ میں فاس پر قابض ہوگیا، اور سلطان شیخ سعدی کو وہاں سے نکال دیا۔ لیکن سعدی نے اسی سال دوبارہ فاس واپس لے لیا، وطاسی کے ساتھ جو ترک افسر اور سپاہی فاس آئے تھے انھوں نے سعدی کی نوکری اختیار کرلی سلطان سلیمان کو جب یہ معلوم ہوا کہ وطاسی خاندان مٹ گیا اور سعدی سلاطین نے تمام ملک پر بلاشرکت غیرے قبضہ کرلیا، اور وہاں کے مسلّم فرمانروا ہوگئے تو اس نے سلطان شیخ سعدی کو اپنی طرف سے تہنیت نامہ بھیجا اور مصالحانہ نامہ و پیام کے لیئے ایک سفیر روانہ کیا اور خط میں لکھا کہ وطاسیوں کی طرح آپ بھی میرے نام کا خطبہ پڑھوائیں، اور سکہ پر میرا نام لکھیں۔ سعدی نے یہ سن کر غصہ میں سلطان سلیمان کو بہت برا بھلا کہا، اور سفیر سے کہا کہ سلطان سے کہدینا کہ "میں خود مصر پہنچکر اس کا جواب دوں گا"، اور سلطان سلیمان کی بحری طاقت کی بنا پر اس کا نام مچھلیوں کا بادشاہ رکھا۔ سلطان سلیمان اس تلخ و تند جواب کو سن کر بیتاب ہوگیا، اور حکم دیا کہ ابھی عثمانی بیڑہ مراکش کی طرف لنگر اٹھا دے وزیر اعظم نے عرض کیا کہ اس معمولی کام کے لیئے فوج کی ضرورت نہیں، حضور کے چند جان نثار اس بدتمیز کا سر اتار کر آپ کے قدموں کے نیچے ڈالدیں گے۔ آخر واقعہ یہی ہوا کہ چند ترکوں نے موقع پا کر سعدی کا سر کاٹ کر قسطنطنیہ بھیجدیا، یہ ۹۶۵ھ کا واقعہ ہے۔ سعدی کی جگہ پر غالب باللہ کے لقب سے اسکا بیٹا جانشین ہوا، حسن پاشا والی تلمسان نے غالب باللہ

پر فوج کشی کی لیکن غالب، غالب رہا اور حسن ناکام واپس آیا۔

یہی واقعات ہیں جنکو "مورخین کی تاریخ عالم" کے مصنفین نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے کہ مراکش میں سعدی اور عثمانی سلاطین مذہبی برتری کے لیئے آپس میں نزاع و رقابت رکھتے تھے، (جلد ۲۴ صفحہ ۲۷۰) ترکوں کو اس مذہبی برتری کے فیصلہ کا بہت اچھا موقع ہاتھ آگیا، غالب باللہ کا بھائی معتصم باللہ اپنے بھائی سے رنجیدہ ہوکر قسطنطنیہ چلا گیا، اور سلطان سلیم ثانی سے جاکر عرض پرداز ہوا کہ اسکو فوج سے مدد دیجائے کہ اپنے باپ کا ملک وہ حاصل کرلے، سلطان نے پہلے بہت ٹالا لیکن وہ اس قدر مصر ہوا کہ اسکو منظور کرنا پڑا معتصم ترکوں کی فوج لے کر مراکش میں داخل ہوا اور اپنے بھائی کو شکست دے کر خود تخت نشین ہوا، معتصم کے بعد منصور آیا اور پرتگالیوں کے مقابلہ میں اسکو عظیم الشان فتح حاصل ہوئی، یہ بشارت نامہ اس نے قسطنطنیہ سلطان مراد بن سلیم کے پاس بھیجا۔ سلطان مراد نہایت خوش ہوا، اور جواب میں بہت سے تحائف اس نے منصور کو بھیجے، لیکن منصور نے مراد کے فرستادہ تحائف اور وفد کی جیسی عزت کرنی چاہیئے تھی نہ کی، بعض درباریوں نے مراد کو بھڑکایا اور غصہ میں آکر اس نے حکم دیدیا کہ منصور کی تادیب کے لیئے ایک بیڑا روانہ کیا جائے۔ یہ خبر منصور کو پہنچی تو وہ بہت متفکر ہوا اور آخر بعض علما اور امرائے دربار کو اپنی طرف سے سفیر بنا کر قسطنطنیہ روانہ کیا، یہ سفرا جب سلطان مراد کے دربار میں پہنچے تو وہ بہت خوش ہوا اور بیڑے کو واپسی کا حکم بھیجدیا اور اسی کے

ساتھ اپنے دربار کے سفرا منصور کے پاس بھیجے، اور اسکی معذرت کو قبول کیا، منصور نے ان سفرار کی بڑی خاطر مدارات کی، اور انھیں سفیروں کے ساتھ اپنے ملک کے مشہور قاضی امام ابن علی شاطبی اور سپہ سالار عبدالرحمٰن شیظمی کو بھیجا، امام شاطبی نے اپنے فرض کو بلکہ اسلام کے حق کو اس خوبی سے ادا کیا، اور **اتحاد اسلام کے فضائل** اور اہل بیت نبوی کے مناقب اس عمدگی سے بیان کئے کہ سلطان مراد نہایت مسرور ہوا، اور اس کے بعد منصور اور سلاطین عثمانی میں اس درجہ اتحاد و اعتماد بڑھا کہ آپس میں خط و کتابت رسل و رسایل اور تحفہ تحائف کی رسم ہمیشہ کے لیئے قائم ہو گئی، یہاں تک کہ سلطان مراد نے ایک دفعہ منصور کو خط لکھا کہ "میں نے عہد کر لیا ہے کہ میں تمہاری طرف مصافحہ کے سوا کسی اور غرض سے ہاتھ نہ بڑھاؤں گا" دونوں سلطنتوں کے قاصد ہمیشہ آتے جاتے رہتے تھے۔

اس کے بعد مراکش میں سادات کی دوسری سلطنت قائم ہوئی جو اب تک برائے نام قایم ہے، اور ان کے درمیان نامہ و پیام اور تحفہ و تحائف کی رسم قایم رہی، ایک دوسرے پر دوستانہ اعتماد قایم رہا، سلطان مصطفےٰ خان عثمانی نے ۱۱۸۰ھ میں مراکش کو سب سے بڑا تحفہ بھیجا، مراکش کی جنگی ضعف و کمزوری کو دیکھکر سلطان نے اپنی فوج کے چند تجربہ کار جنگی اور بحری افسر اور ملاح اور توپیں اور آلات بحریہ اور معلم صنائع و جہاز ساز و بم ساز اور دیگر آلات جدید اور ان کے طریق استعمال کو سکھانے والے معلمین مراکش کو روانہ کئے مگر یہ انتہائی بدقسمتی سمجھی جائے گی کہ سلطانِ مراکش

اتنی بڑی نعمت سے متمتع نہ ہوسکا۔ یہ تمام سرمایہ اسکی غفلت کے نذر ہوگیا، اور آج
اس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے تاہم سلاطین بنی عثمان نے دنیائے اسلام کے
اس اہم حصہ کی نسبت اپنے فریضہ خلافت کو فراموش نہیں کیا تھا۔

سواحل عرب و ہند اور بحر عرب کے اسلامی جزائر

اسپین کے بعد اس عہد کے دشمنان اسلام میں اسی کے ملحقہ صوبہ پرتگال کا
درجہ تھا، یہ صوبہ چونکہ اسپین سے بالکل ملا ہوا ہے، اسلیئے سیاسی تاریخ کے
تماشا گاہ میں کبھی وہ الگ ہو کر نمودار ہوتا ہے، اور کبھی وہ اسپین کا جز بنجاتا ہے،
جس عہد کا ہم ذکر کر رہے ہیں اسوقت بھی اس حصہ ملک کی یہی حالت تھی، اندلس میں
جب اسلام کا اقبال اوج کمال پر تھا تو یہ صوبہ بھی اسکی حکومت کے زیر سایہ تھا، اسی
لیئے پرتگالی زبان میں عربی الفاظ نہایت کثرت سے مل گئے اور آج بھی موجود ہیں،
اسپین نے جب اسلام کشی کا عمل شروع کیا ہے تو پرتگال نے بھی اسکی پوری
تقلید کی، پہلے جیسا کہ بیان ہوچکا ہے، اس نے مراکش کے سواحل پر قبضہ جمانا
چاہا مگر بہت جلد عربوں اور پھر ترکوں کے حملوں سے اسکو یہ مقامات خالی کرنے
پڑے، یہ بھی معلوم ہوچکا کہ یورپ اور ایشیا کا پرانا راستہ جو بحر روم، مصر اور
بحر احمر ہو کر تھا۔ اسپر ترکوں نے اپنے اقتدار کے بحری پھاٹک قائم کردیئے تھے،
اس لیئے مشرقی اسلامی ممالک کی تاخت و تاراج کرنے کے لیئے کسی دوسرے

[1] یہ واقعات الاستقصا لاخبار دول المغرب الاقصیٰ کی جلد ۳ ص ۴ سے ماخوذ ہیں،

بحری راستہ کی ضرورت تھی چنانچہ ابتدائی پرتگالی مکتشفین بحر (دریائی راستہ کے پتہ لگانے والے) جن اسباب سے نئے بحری راستوں کی تلاش میں سرگردان و پریشان تھے، ان میں کا ایک بڑا سبب ان کا ترکوں سے بچکر ارض مقدس کے لئے ایک نئے راستہ کی جستجو، اور فتح بیت المقدس کے لئے تجارت وغیرہ سے نئی دولت جمع کرنا تھا مزید جور و ستم اور لوٹ مار کے لئے مو دوں (مسلمانوں) کی کسی نئی آبادی کا سراغ لگانا تھا، چنانچہ مضمون کے دوسرے نمبر میں "مورخین عالم کی تاریخ" کا ایک اقتباس نقل کیا جا چکا ہے، جس میں کے چند فقرے یہ ہیں:-

"مشرقی جزائر اور نئی دنیا میں اسپین و پرتگال کے عظیم بحری اکتشافات و فتوحات، علوم قدیمہ کا احیاء، ادبیات جدیدہ کا طلوع، فن طباعت کی وجہ سے روشن خیالی، مباحثہ اور معلومات نو کی ترقی، ان تمام کی تمام چیزوں نے عالم مسیحی کی روح کو زیادہ اور بلند تر ہونے میں مدد دی تاکہ ان کے جذبات زیادہ بلند ہوں، اور وہ عمل کے وقت تحمل مصائب اور برداشت کے لئے زیادہ تیار رہیں، اس کے علاوہ دوسرے ایسے اسباب بھی موجود تھے جن سے پتہ چلتا تھا کہ اہل فرنگ کی یہ نئی قوت اسلامی ممالک کے فتوحات میں کام آئیگی، کیونکہ اس عہد میں مذہبی جوش عام اور تیز تھا، بحری سیاحوں کی محنت، فیلسوفوں کی جد و جہد، طلبہ کی مساعی، مدبرین کی دماغ سوزی اور سپاہیوں کی جانبازی سب کی سب صرف اسی ایک مقصد یعنی صلیب کے عروج کے لئے تھیں، جہاں ایک کولمبس کو

بحر زخار کے خطروں میں یہ خیال تھا کہ ان سیاحتوں سے جو کچھ خزانے ہاتھ آئینگے وہ ارض مقدس کو بے دینوں کے قبضہ سے نکالنے کے کام آئیں گے"

آگے چلکر پرتگالی فاتحین اور مدبروں کی سرکاری تحریروں کے اقتباسات نظر سے گذریں گے جن سے یہ حقیقت اور بھی آئینہ ہو جائے گی، یہ واقعات متعدد دفعہ دہرائے گئے ہیں کہ پرتگال نے واسکوڈی گاما کے زیر سرداری وقیادت مشرقی افریقہ کی طرف سے ہو کر راس امید (گڈ ہوپ) سے گزر کر ہندوستان کے ساحل پر قدم رکھا، ہندوستان، چین، سیام، جاوا، سماترہ، جزائر ہند، سیلون، ملیبار، ممباسہ، زنجبار، حبش، مصر، عرب وغیرہ کی وہ تمام بحری تجارتیں جو بحر ہند، بحر احمر، خلیج فارس، بحر عرب ہو کر گذرتی تھیں وہ سب عرب تاجروں کے ہاتھوں میں تھیں، اور وہی مشرق و مغرب کے درمیان بیوپاری تھے، ہندوستان وایران و چین سے مال لیجا کر مصر پہنچاتے تھے، اور وہاں سے وینس اور جینوا کے تاجر اُن کو یورپ لیجاتے تھے، اور وہاں سے یورپ کا مال لاکر ہندوستان، ایران و چین وغیرہ مشرقی ملکوں میں پہنچاتے تھے، اس بیوپار سے اور تجارت کے اس راستہ سے جو تمامتر اسلامی ملکوں سے ہو کر گذرتا تھا، مسلمانوں اور خصوصاً عربوں کی تجارت اور دولت بڑی ترقی پر تھی پرتگال نے بحر ہند میں کو دپڑنے کے ساتھ ہی یہ کوشش شروع کردی کہ جس طرح ممکن ہو عربوں کے ہاتھوں سے یہ تجارت چھین لی جائے اور اس راستہ کو

جو اسلامی ملکوں سے ہو کر گزرتا ہے، اس نئے راستہ سے بدل دیا جائے جسکو
انھوں نے خود دریافت کیا تھا۔

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیئے عرب جہازوں پر تاخت شروع کی، عرب
حبش (افریقہ) ہندوستان اور فارس کے ساحلی مقامات پر حملے کیئے، اور
نامسلموں کو مجبور کیا کہ وہ مسلمانوں اور عربوں کے ہاتھ اپنا اسباب تجارت فروخت
نہ کریں، ملیبار کے موپلہ تاجروں پر بڑی زیادتیاں کیں، یمن اور حجاز کے ساحلی
شہروں پر قبضہ جمایا، اور ہندوستان میں سندھ سے لے کر مدراس و گجرات
و بمبئی تک کے بندرگاہوں پر دھاوے کئے۔ ساحلوں اور جزیروں میں مسلمانوں
کا قتل عام ہو رہا تھا، مسجدیں توڑ کر کلیسا بنائی جارہی تھیں، کالی کٹ کے راجہ
کو اسپر مجبور کیا گیا کہ وہ مسلمانوں کو عرب آنے جانے سے روک دے، کوچی، ساحل ہند
پر قبضہ کرکے مسلمانوں کو قتل کیا اور مسجد کو کلیسا بنالیا، اور پھر رفتہ رفتہ عرب کے
سواحل پر عدن، ہرمز، پریم وغیرہ کو اور ہندوستان کے سواحل میں سے گوا، چیول
دابل، دیب، دمن، مہایم، وغیرہ کو تاخت و تاراج کیا، ۹۱۵ھ میں کالیکٹ پر
حملہ کرکے شہر کو لوٹ لیا، اور وہاں کی جامع مسجد کو خاک سیاہ کر دیا، یہی حال انھوں
نے عرب کے ساحلی مقامات کا کر دیا، حج کے بحری راستے ان قزاقوں کے ہاتھوں
سے مشکل جانبر ہو سکتے تھے، گوآ کا مشہور بندرگاہ سلطنت بیجاپور سے چھین لیا،
اور سلطان گجرات کے تمام بندرگاہوں پر غارت گری شروع کر دی، جدہ اور عدن

پر کئی حملے کیے، کبھی کامیابی ہوئی اور کبھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، انتہا یہ ہے کہ پرتگالی یہ خواب دیکھنے لگے کہ جدہ پر قبضہ کرکے حجاز پر حملہ کیا جائے، اور خاکم بدہن مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کو ویران اور حرمین محترمین کو منہدم کرکے اسلام کی عمارت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے۔ فارسی اور عربی کی اسلامی تاریخوں میں ان واقعات کے متعلق جو تفصیلیں موجود ہیں، وہ یمن، گجرات اور ملیبار کی پچھلی تاریخوں میں مذکور ہیں، لیکن اس موقع پر عیسائی مورخین کے اعترافات کو پیش نظر رکھنا ہماری مصلحتوں کے زیادہ مناسب حال ہے :۔

"۱۵۰۱ء میں پرتگال کے بادشاہ مینوئل نے اپنا خطاب "ہندوستان، ایران، عرب اور حبش کی تجارت اور جہازرانی کا مالک" اختیار کیا، اس نے یہ تدبیر سوچی کہ ہندوستان اور یورپ کے بیچ میں مسلمانوں کی تجارت کو عدن، ہرمز، اور ملاکا پر قبضہ کرکے برباد کردے، یہ وہ بندرگاہ تھے جہاں سے مشرقی تجارت کا سامان اسکندریہ اور بیروت ہوکر یورپ جاتا تھا ملاکا وہ جگہ تھی جہاں مسلمان خصوصاً عرب تاجر چین سے مال کا تبادلہ کرتے تھے ....

چونکہ پرتگیزوں کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان اور یورپ کی تجارت کا رخ راس امید کی طرف پھیر دیں، اور اس راستہ کو جو بحر احمر سے قاہرہ اور اسکندریہ ہوکر جاتا تھا، ویران کر دیں، اسلئے مسلمان سوداگر موپلے جو ہندوستان کے تاجر تھے، انھوں نے مصر کے مملوک سلطان کو بھڑکا دیا[1]"

[1] ہسٹری آف انڈیا، مصنفہ ایم پروتھیرو ۔ ایم ۔ اے شائع کردہ میکملن ۱۹۱۵ء

پرتگیزوں کی ہمت نے یہاں تک بلند پروازی کی کہ انھوں نے ارادہ کیا کہ حجاز پر حملہ کرکے قبلۂ اسلام کو بے بنیاد کر دیا جائے، اور آخر اسی نیت سے انھوں نے ۹۴۸ھ میں جدہ پر حملہ کیا، علامہ قطبی نے اعلام میں اور مفتی دحلان نے فتوحات میں اس واقعہ کی پوری تفصیل لکھی ہے، ابتدائی سطروں کا ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

"پرتگالی قوم جو فرنگیوں کی ایک قوم ہے اور جس کی نسبت یہ بیان ہو چکا ہے کہ سمندر میں ڈاکے ڈالتے تھے، اور بہت سے اسلامی خطوں پر حملے کر رہے تھے، ان کا ایک فعل یہ ہے کہ ان کے نفس بد نے ان کو اس کام کے لیے آمادہ کیا کہ وہ حرمین اور جزیرۂ عرب پر قبضہ کر لیں، یہ ۹۴۸ھ کے آخر میں پیش آیا، ان فرنگیوں کی بہت بڑی جماعت اسلامی بندرگاہوں میں گھس گئی اور ان کو تباہ و برباد کر دیا، اور بندرگاہ جدہ کا قصد کیا، اور اس لنگرگاہ پر اپنے جہاز آکر لگائے، جس کا نام ابو الدوائر تھا، ۸۵ جہاز فوج اور سامان جنگ سے بھرے ہوئے تھے۔"

ان لوگوں کے لیے جو صرف یورپ کے راستگو اور صادق البیان مورخین پر اعتماد رکھتے ہیں، اس واقعہ کی صداقت کے لیے رایل ایشیاٹک سوسائٹی جرنل ۱۹۲۱ء کا حوالہ دوں گا، جس میں مسٹر ایم لانگورتھ ڈیمیس کا مضمون "ترک اور پرتگالی بحر ہند میں" چھپا ہے، اور جس میں زیادہ تر واقعات مسٹر موصوف نے پرتگالی حوالوں سے نقل کیے ہیں، اس مضمون میں ان کے اس جرم کا اعتراف مضمون نگار نے ان الفاظ میں کیا ہے:۔

"البوکیوک (Albuquerque) (پرتگالی وائسرائے) نے ۱۵۱۳ء میں ایک باجرأت کوشش کی کہ اس (عدن) قلعہ و حصار سے محفوظ قصبہ میں سیڑھیاں لگا کر اندر داخل ہو جائے، وہ اس میں ناکام ہوا، اور جدہ کو واپس پھرا، وہ دنیا کو عیسائی بنانے اور اسلام کے مقامات مقدسہ پر قبضہ کر کے اسلام کو تباہ کرنے کے ایک بڑے نقشہ کا خواب دیکھتا تھا، لیکن بہرحال وہ بحر احمر کی آب و ہوا کا متحمل نہیں ہوا، وہ جدہ نہیں پہنچ سکا، اور اس کے آدمی کامران میں بخار سے ٹوٹ گئے"

اسلامی تاریخوں میں لکھا ہے کہ پرتگالیوں نے جدّہ پر حملہ کیا، اور شکست کھائی، بہرحال شکست تو انہیں یقیناً ملی خواہ وہ انسانوں کی تلواروں سے ملی یا خدائے قادر کے غیر آہنی ہتیاروں سے۔

پچھلے صفحات کے پڑھ لینے کے بعد ہمارے ناظرین کے سامنے بحر حبش بحر عرب، بحر ہند، خلیج فارس، اور بحر چین کے اسلامی جزیروں اور ساحلوں کی بربادی اور اسلامی و عربی تجارت کی تباہی کا نقشہ پھر گیا ہو گا اور آنسوؤں کے چند قطروں کے ساتھ یہ نظر آیا ہو گا کہ دنیائے اسلام اور یورپ کے باہمی مقابلہ کے سیاسی و اقتصادی نقشہ کے الٹ جانے میں ان واقعات کا کتنا بڑا جزو شامل ہے اس وقت بحر ہند کے اس طرف آگرہ کا امام جلال الدنیا والدین اکبر ظل اللہ فرمانروا تھا۔ اور اس طرف قسطنطنیہ کا خلیفہ سلطان سلیمان مسند آرا تھا، اسلام کے یہ نقشے

دونوں کی آنکھوں کے سامنے تھے، لیکن انصاف سے کہنا کہ ان دو میں سے کس کے سینہ میں اسلام کا تڑپتا ہوا دل تھا، کس نے ان مصیبتوں سے اسلام کو نجات دلانے کے لیئے اپنی راحتوں کو قربان کیا، کس نے اپنی فوج و لشکر اور دولت و خزانہ کو سمندر میں غرق کرنے کی ہمت کی، اس سخت و پر خطر مرحلہ میں آل تیمور نے اپنے فرض کو ادا کیا یا اس نے ادا کیا جو اس محاذ جنگ سے ہزاروں میل دور، خلافت کا بار عظیم اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے تھا، اکبر کی بیچارگی کا تو یہ عالم تھا کہ

"فرنگیان در آزار مسلمانان راسخ تر شدہ بعضی جہازات جلال الدین محمد اکبر بادشاہ را کہ بے قول اہل فرنگ بمکہ معظمہ متردد (آمد و رفت) بودند، در وقت مراجعت از بندر جدہ غارت کردہ نسبت مسلمانان اہانت بلیغ رسانیدند ......

و از ان تاریخ کہ جہازات جلال الدین محمد اکبر بادشاہ بدست فرنگیان گرفتار شدہ مراکب (جہازات) فرستادن بہ بنادر عرب و عجم برطرف ساخت چہ کہ قول گرفتن از اہل فرنگ مستلزم ننگ و عار داشت و بے قول روانہ ساختن موجب ہلاک نفوس و تضییع مال، لیکن امرائے او مثل مرزا عبدالرحیم خانخانان وغیرہ قول از فرنگ گرفتہ مراکب بہ بنادر می فرستادند"

(فرشتہ نولکشوری جلد ۲ صفحہ ۳۰۳)

بہر حال ان حملوں کی مدافعت میں مسلمانوں نے جو کوششیں کیں، ان میں سب سے اول یہ ہے کہ سلطان مصر نے جو خلافت عباسیہ کی طرف سے مصر و شام و عرب

کا حکمران تھا، اس نے بیجا پور، گجرات اور دوسری ساحلی اسلامی ریاستوں کے ساتھ مل کر ۹۱۳ھ میں پرتگالیوں کا سواحل ہند پر ناکام مقابلہ کیا۔

تاریخ فرشتہ (جلد ۲ صفحہ ۲۰۴ نولکشور) نے سلطان مصر کے ان جہازات کو غلطی سے سلطان روم کے جہازات بیان کیا ہے، اور لکھا ہے:-

"خبر رسید کہ امسال (۹۱۳ھ) کفار فرنگ در ساحل ہجوم آوردہ می خواہند کہ قلعہا بہ بندند و متوطن شوند، سلطان روم کہ عدوے ایشان است، آن خبر شنیدہ جہازات بسیار بجانب ساحل بقصد غزا و ممانعت فرستادہ ازان جملہ چند جہاز رومی بہ بنادر گجرات آمدہ اند"

اسکے بعد لڑائی اور شکست کا واقعہ لکھا ہے لیکن اسکی اصلیت صرف اسقدر ہے کہ مصری بیڑے کے اکثر افسر اور جہازران ترک تھے، اسی لیے مراۃ سکندری (تاریخ گجرات) میں اس واقعہ کو ان الفاظ میں لکھا ہے:-

"ازانجا بواسطہ خلل فرنگیان بطرف خطہ بسین و مہایم عزیمت فرمود، چوں بخطہ آوردن رسید خبر آمد کہ ملک ایاز غلام سلطان، حاکم دیو (دیپ) باشکر روم در ساختہ دو جہاز رومی را ہمراہ خود برداشتہ بہ بندر چیول رفتہ با فرنگیان مفسد جنگ کردہ (صفحہ ۲۱۶ بمبئی)

لیکن صحیح یہی ہے کہ یہ ۹۱۳ھ کے جنگی جہازات مصر کے سلطان غوری نے بھیجے تھے جیسا کہ ریاض السلاطین (تاریخ بنگالہ) میں ہے:-

"چنانچہ سلطان قانصو غوری امیر حسین سردارے را با سیزدہ منزل غراب (کشتی) مملوے مردم جنگی و آلات کارزار روانہ ساحل ہند ساخت و سلطان محمود گجراتی و سلطان محمود دکنی نیز از بندر دیو و سورت و گولہ و دابل و جیول بعزم جنگ با فرنگیان جہازات در غایت استعداد مرتب ساختند۔"

یہ وہ زمانہ تھا جب نہ ہندوستان میں تیموری بادشاہ تھے، اور نہ ترک خادم الحرمین الشریفین، ۹۲۳ھ میں سلطان سلیم نے مصر و شام و عرب کی زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی، اور اسکے چند سال بعد تیموری ستارۂ اقبال ہندوستان کے افق پر طلوع ہوا، ۹۲۶ھ سے لیکر ۹۷۴ھ تک کا زمانہ سلطان سلیمان اعظم بن سلطان سلیم کی فرمانروائی کا عہد ہے، یہ وہ زمانہ ہے جسمیں ہندوستان میں بڑے بڑے انقلابات پیدا ہوئے اور مٹ گئے اور پھر اُبھرے، ۹۳۲ھ میں لودیوں کو مٹا کر بابر نے ہندوستان لیا، ۹۳۷ھ میں ہمایوں تخت نشین ہوا، ۹۴۷ھ میں شیر شاہ نے ہمایوں سے دلی کا تخت چھین لیا، ۹۶۲ھ میں ہمایوں نے پھر ہندوستان کا تاج اپنے سر پر رکھا، ۹۶۴ھ میں اکبر نے ہندوستان کے تخت کو زینت دی۔

اس تمام عرصہ میں پرتگالیوں کی بحری جرأتیں برابر ترقی کرتی رہیں اور مسلمانوں اور ممالک اسلامیہ کی تباہی و بربادی کے واقعات ہمیشہ رونما ہوتے رہے، ان اطراف میں گجرات کی اسلامی سلطنت سب سے زیادہ بحری طاقت رکھتی تھی، وہ بھی

پرتگالی جہازوں اور توپوں کے سامنے بیدست و پا ہو رہی تھی، ناچار اسکو اپنی فریاد آستانۂ خلافت تک پہنچانا پڑی۔" مورخین کی تاریخ عالم" میں ہے کہ بہادر شاہ سلطان گجرات کے دربار سے ایک سفیر پرتگیزوں کے مقابلہ میں اعانت طلبی کے لیئے قسطنطنیہ حاضر ہوا، جنھوں نے کچھ دنوں پہلے دیپ کا بندر بہادر شاہ سے چھین لیا تھا۔ ۱۵۶۴ء میں ہندوستان کے ایک بادشاہ علاؤ الدین کی طرف سے ایک سفیر قسطنطنیہ اس غرض سے حاضر ہوا کہ پرتگیزوں کے مقابلہ میں سلطان کی امداد حاصل کرے"۔

۱۵۱۵ء یا ۱۵۱۶ء میں پرتگالیوں نے عدن پر حملہ کیا، عرب شیخ اس حملہ کی مدافعت نہ کرسکا اور اس نے ہتیار رکھدیئے، یہاں سے اٹھکر پرتگالیوں نے جدہ پر حملہ کیا، یہاں کا رئیس سلیمان سلطان مصر کے سلطان کی طرف سے گورنر تھا

[1] ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ جلد ۲۴ صفحہ ۳۴۶، ترکوں اور پرتگالیوں کی بحری معرکہ آرائیوں کے واقعات کے چار ماخذ ہیں، حجاز اور یمن کی پچھلی عربی تاریخیں مثلاً اعلام بیت اللہ الحرام، البرق الیمانی فی الفتح العثمانی، روح الروح فیما بعد المائۃ التاسعۃ من الفتوح اور ایک گجرات کی عربی تاریخ ظفر الوالہ بتاریخ مظفر و آلہ، فارسی تاریخوں میں فرشتہ، تحفۃ المجاہدین، ریاض السلاطین، مرآۃ سکندری، ترکی میں مرآۃ الممالک، اور حاجی خلیفہ کی تاریخ، چوتھا ماخذ پرتگالی بیانات ہیں جنمیں بہت سے ایسے واقعات ہیں جو دوسرے ماخذوں سے نہیں ملتے، رائل ایشیاٹک سوسائٹی جرنل لندن کے جنوری نمبر میں ایک مضمون نگار نے اس سلسلہ جنگ کے تمام پرتگالی معلومات یکجا کر دیئے ہیں اور اسی سال کے دسمبر نمبر میں ایک اہل عالم نے عربی فارسی ترکی معلومات کو یکجا کر دیا ہے، جن صاحبوں کو ان معرکوں کی تفصیل درکار ہو وہ ان کی طرف توجہ کریں، اگر فرصت ملی تو یہ دلچسپ مضامین معارف کے ذریعہ کبھی آپ کے سامنے آجائینگے۔۔۔

اُس نے ان کو ناکام واپس کر دیا، پرتگالی یہاں سے پھر کر واپس آنا چاہتے تھے کہ کامران پہنچکر مانسون بدل گیا، اب پھر یہ عدن کی طرف لوٹے، اتنے عرصہ میں عربوں نے اپنے مسمار شدہ قلعہ کی مرمت کر لی تھی، اب پرتگالی جدّہ کے قریب جیسے ہی پہنچے تھے کہ انہیں معلوم ہوا کہ اب مصر و بحر احمر کی حکومت مصری ممالیک کے کمزور ہاتھوں سے نکل کر سلطان قسطنطنیہ کے مضبوط ہاتھوں میں آ گئی ہے یہ خبر برق و صاعقہ بنکر ان پر گری، اور ترکوں کا نام سن کر کانپ اُٹھے، جدّہ کے گورنر رئیس سلیمان نے بر وقت سلطان سلیم کی اطاعت کا اعلان کر دیا، سلطان نے چاہا کہ فوراً مصری بیڑہ کو پرتگالیوں کے مقابلہ کے لیئے بھیجا جائے، مگر معاینہ سے ظاہر ہوا کہ اسمیں کچھ دم نہیں ہے، اس نے حکم جاری کیا کہ سویز میں بحر احمر کے ناکہ پر فوراً ایک زبردست بیڑہ تیار کیا جائے، لیکن اس سے پہلے کہ یہ تجویز تکمیل کو پہنچے سلطان نے ۱۵۱۹ء میں وفات پائی۔

سلطان سلیمان کی تخت نشینی کے بعد چند سال تک یہ تجویز اسلیئے معطل رہی کہ رئیس سلیمان، اور ایک دوسرے چرکسی افسر حیدر نام میں جو جدّہ کا گورنر بنا کر بھیجا گیا تھا، رشک و منافست پیدا ہو گئی تھی، پرتگالیوں نے جدّہ سے واپس جاکر ۱۵۱۷ء میں حبشی سواحل کی عرب آبادیوں پر دھاوا کیا، زیلع (صومالی لینڈ) کو برباد کیا۔ دوسرے سال بربرہ کو تاخت و تاراج کیا، ان ضلاع کے

عرب مسلمان اور حبشی عیسائیوں کے درمیان اختلافات پیدا تھے، پرتگالی حبشی عیسائیوں کے طرفدار تھے، اور ترک عربوں کے پشت پناہ تھے عربوں کو یقین تھا کہ پرتگالی، ترکی بیڑہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے، اسلیئے پرتگالیوں کو اپنا بحری قائم رکھنے کے لیئے کچھ نہ کچھ کرنا ضرور پڑا، ۱۵۲۳ء میں ایک پرتگالی بیڑہ بحر احمر کے حبشی ساحل مصوع (ایریٹیریا) کو اس غرض سے بھیجا گیا کہ حبشہ کے دربار میں جو پرتگالی سفیر بھیجا گیا تھا اسکو واپس لے آئے مگر ان کو اسمیں ناکامی ہوئی ۱۵۲۴ء میں پرتگالیوں نے پھر عدن کا رخ کیا، اور عرب شیخ کو اطاعت پر مجبور کیا مگر یہ تدبیر بے سود رہی۔

دوسرے سال رئیس سلیمان کی ماتحتی میں ایک ترکی بیڑہ نے عدن کا محاصرہ کیا، مگر پرتگالیوں نے اسکو شکست دی مگر اس سے ترکی امیر البحر دل شکستہ نہیں ہوئے، وہ برابر بحر ہند میں پرتگالیوں پر حملے کرتے رہے، یہاں تک کہ وہ گجرات کے سواحل تک پہنچ گئے، جہاں ان میں اور پرتگالیوں میں باہم متعدد معرکے پیش آئے۔ اسکے بعد سلطان سلیمان نے سویز کے کنارہ ۷۶ جہازوں کا ایک بیڑہ تیار کرایا جسمیں ۲۵ بڑے جہازات اور بہت سی باربرداری کی چھوٹی کشتیاں تھیں، اور ان کو مستحکم اور طاقتور سامان اسلحہ سے مسلح کیا، ترکی مورخ حاجی خلیفہ کے بیان کے مطابق ان میں تیس ہزار فوج جن میں سات ہزار ینگچری (ترکوں کی ایک بہترین فوج کا نام) سپاہی تھے، ہندوستان کے سواحل کی طرف

روانہ کئے گئے یہ تمام لشکر، سامان اور جہازات سلیمان پاشا والی مصر کی سرکردگی میں تھے، ایک پرتگالی ملاح حضرموت کے پاس شحر میں مقید تھا، اس نے اس بیڑہ کو ہندوستان تک پہنچانے کے لیے اپنی خدمات پیش کئے مگر اس سے پہلے کہ یہ مہم آگے بڑھے وہ قید سے بھاگ کر پرتگال کو چلدیا، اور وہاں جاکر ترکوں کے بحری ارادوں کے تمام راز افشا کر دیئے، مگر اب یہ اس قدر بے وقت ہو چکے تھے کہ ہندوستان کے پرتگالیوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا جاسکتا تھا گجرات کی فوج میں بہت سے ترک داخل ہو گئے تھے، اونہوں نے ترکی فوجی قاعدہ سے لشکر کو ترتیب دیا اور میدان جنگ کو آراستہ کیا، جون ۱۵۳۸ء میں خشکی سے اس فوج نے دیب پر حملہ کیا، دمبدم ترکی بیڑہ کے سمندر سے آنے کی خبریں گو...... پہنچ رہی تہیں، آخر پرتگالی بڑے نقصانات کے بعد دیب سے اپنے توپ خانہ کو بچالائے۔ اگست کے آخر میں ترکی طلایہ کا سب سے اگلا چھوٹا جہاز منگرول (کاٹھیاوار) پہنچا، یہاں ایک پرتگالی جہاز لنگر لگائے بیٹھا تھا، اس نے فوراً گوآ خبر کی، اسوقت سوء اتفاق سے سمندر کی رت ایسی بدلی ہوئی تھی کہ مانسون ٹھہر گیا تھا اور جو ہلکی ہوا سمندر میں چل رہی تھی وہ عظیم الشان ترکی بیڑہ کی رفتار کے لیے بالکل نامناسب تھی، پرتگالی بحر ہند کے موسم سے اچھی طرح واقف تھے، اسی سے ان کے جہاز چھوٹے اور ہلکے تھے، برخلاف اس کے ترک جو بحر متوسط کا تجربہ رکھتے تھے، اور اسلیئے چھوٹے

اور ہلکے جہازوں کے بجائے وزنی اور بڑے جہازات انھوں نے بنوائے تھے، جو یہاں کے بالکل نامناسب تھے۔

سلیمان پاشا ۲۲ رجون ۱۵۳۸ء کو سویز سے نکلا تھا، جدہ میں تھوڑے دن قیام کے بعد عدن آیا اور ۳ ر اگست سے ۹ ر اگست تک اسلئے اسکو یہاں ٹھیرنا پڑا کہ اس اہم بندر پر جو عامر بن داؤد نام ایک عرب شیخ کے ماتحت تھا اپنا پورا قبضہ جمالے، پاشا نے دھوکے سے اور موجودہ سیاسی زبان میں کہئے تو "ڈپلومیسی" سے عدن پر قبضہ کرلیا، اور یہاں تھوڑی سی فوج چھوڑ کر سواحل گجرات کی طرف روانہ ہوا۔ ۴ ر ستمبر ۱۵۳۸ء کو یہ بیڑہ دیپ پہنچا، اور گجراتیوں کے ساتھ مل کر پرتگیزیوں پر حملے شروع کردیئے، اسی اثنا میں مانسون ختم ہوگیا، اور ترکی بیڑہ کو کسی محفوظ مقام میں پناہ لینے کی ضرورت ہوئی، چنانچہ دیپ سے ۲۰ میل ہٹ کر مظفر آباد کا بندر انتخاب کیا گیا۔ اس حرکت اور تبدیل مقام میں موسم کی خرابی سے باربرداری کے چار جہاز ٹوٹ گئے، اور سامان جنگ جو اس پر لدا ہوا تھا، وہ متفرق سواحل پر پراگندہ ہوگیا، تین ہفتوں کے بعد یہ جہازات پھر اس لائق ہوئے کہ دیپ میں لائے جائیں، اور اب پرتگالی بندرگاہ کا محاصرہ نہایت سختی سے کیا گیا، اور ایسی توپیں استعمال کی گئیں، جن سے ۹۰ سے ۱۰۰ پونڈ تک کے گولے پھینکے جاتے تھے، یہ گولہ باری ۵ ر اکتوبر سے ۵ ر نومبر تک بڑی تیزی سے جاری رہی۔ اس درمیان میں

پرتگالیوں کی نئی کمک کچھ آگئی، مگر تاہم وہ اس قابل نہ تھے کہ وہ ترکی بیڑہ کا کامیاب مقابلہ کرسکیں مگر عجیب بات یہ ہے کہ انہیں سرگرم حملوں کی ایک صبح کو دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ ترکی بیڑہ نے دفعتہً لنگر اٹھاکر کوچ کردیا، اور پرتگالی کامل شکست سے بچ گئے۔

مورخین نے اس ناگہانی انقلاب کے مختلف وجوہ اور اسباب بیان کیے ہیں، ترکی مورخ حاجی خلیفہ، ہندوستان کے مورخین میں صاحب تحفۃ المجاہدین، مصنف مرآۃ احمدی، مصنف ریاض السلاطین، اور عرب مورخوں میں سے صاحب ظفرالوالہ وغیرہ یہی بیان کرتے ہیں کہ گجراتیوں نے رسد اور آذوقہ کا سامان بھیجنا بند کردیا، اور اسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے جیسا کہ ظفرالوالہ نے لکھا ہے کہ پاشا نہایت خودرائے تھا، امرائے گجرات کو اپنی خود آرائی اور استبداد سے آزردہ کردیا۔ بہرحال نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ مسلمان اتحادیوں کے باہمی اختلاف سے میدان جیتتے جیتتے رہ گیا۔ سلطان سلیمان کو جب یہ خبر پہنچی تو اسکو بہت تکلیف ہوئی، اور سلیمان پاشا بارگاہِ خلافت میں معتوب ہوا سلطان نے غضبناک ہوکر کہا،

ما ارسلناك الا لاخراج الفرنج من الديو ولنصرة لصاحبها السلطان على المسلمين بالهند

میں نے تم کو دیب سے فرنگیوں کو نکالنے کے لیئے اور وہاں کے بادشاہ کی مدد کے لیئے بھیجا تھا، ہندوستان کے مسلمانوں پر حاکم بناکر نہیں بھیجا تھا،

۱۵۴۵ء میں گجراتیوں نے دیب پر دوبارہ حملہ کیا، اور گو عملاً اسمیں ترک شریک تھے مگر اہل یورپ کا بیان ہے کہ بہر حال اس کا نقشہ تمامتر ترکوں کا تیار کیا ہوا تھا، ترکوں کی اس ناکامی سے پرتگالیوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے، اور انھوں نے عدن پر جاکر برائے نام دوبارہ قبضہ کرلیا، اور حضرموت کے دوسرے بندرگاہ بھی ان کے اثر و اقتدار میں آگئے، اسوقت حبشہ کا ملک عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان معرکۂ سیاست تھا، حبش کی قدیم عیسائی سلطنت اور سواحل حبش کے مسلمان عرب قبائل باہم نبرد آزما تھے، ترکوں نے اس میدان کے لیئے اپنے توپچی بھیجے، جنھوں نے عرب قبائل کی جنگی حیثیت کو درست کیا۔ پرتگالیوں نے بڑی جرأت کرکے حبشہ کی امداد کے لیئے بحر احمر میں اپنے بیڑہ کو ڈال دیا، ۱۵۵۱ء میں سلطان نے ایک مضبوط ترکی بیڑہ پیری بے ایک مشہور ترکی امیر البحر کے زیر سرکردگی سوئز سے بحر ہند میں بھیجدیا، یہ بیڑہ عرب کے سواحل میں عدن، شحر، ظفار وغیرہ سواحل کو صاف کرتا ہوا مسقط پہنچا، یہاں اس نے پرتگیزی بیڑہ کو غافل پاکر نہایت آسانی سے اسکو پکڑ لیا، اور آگے بڑھتا ہوا خلیج فارس کے سواحل سے پرتگیزوں کو ہٹاتا ہوا ہرمز پہنچا، یہاں سخت معرکہ پیش آیا، دشمنوں کو ایک تازہ بحری مدد پہنچگئی، جس نے ترکی بیڑہ کو منتشر کردیا، پیری بے بمشکل دو جہازوں کو لے کر بحر ہند سے بحر احمر میں داخل ہوا لیکن جہازوں کا بڑا حصہ خلیج فارس میں قید ہوگیا۔

سلطان نے مراد بے ایک دوسرے افسر کو متعین کیا کہ وہ خشکی سے بصرہ پہنچکر بیڑہ کو خلیج فارس سے نکال کر بحر احمر میں واپس آئے۔ مراد بے انتہائی جرأت سے کام لے کر ہرمز کے سامنے نمودار ہوا، یہاں پرتگالی بیڑہ اسکی تاک میں لگا تھا، ایک سخت معرکہ پیش آیا، جس میں دو ترکی افسر سلیمان رئیس (کپتان) اور رجب رئیس کام آئے، جہازوں کا بڑا حصہ ڈوب گیا، اور باقی نے بھاگ کر پھر بصرہ کے ساحل میں پناہ لی، سلطان نے اخیر میں اپنے مشہور ترین امیر البحر سیدی علی کو جو باربروسہ کی ماتحتی میں کام کرچکا تھا، اس اہم ذمہ داری پر مامور کیا کہ بقیہ پندرہ جہازوں کو نکال کر بحر احمر میں لائے سیدی علی نے اپنا سفر نامہ آپ لکھا ہے، جسکے ترجمے مختلف زبانوں میں ہوچکے ہیں اور انگریزی سے اس کا مسخ اور غلط شدہ ترجمہ اردو میں (کارخانۂ وطن) میں بھی چھپ چکا ہے۔ سیدی علی نے اس مختصر سفر نامہ میں اپنی مصیبت کی پوری سرگذشت لکھی ہے۔

یکم شوال ۹۶۱ھ کو بصرہ سے اپنے جہازات لیکر یہ خلیج فارس کے کنارہ کنارہ روانہ ہوا، بصرہ سے بوشہر، بوشہر سے قطیف (بحرین) پہنچا اس کے بعد جب راس موسندام کے قریب پہنچا، تو پرتگیزی بیڑہ کو اپنا منتظر پایا، ایک سخت معرکہ کے بعد پرتگیزیوں کو شکست ہوئی اور سیدی علی نے اپنے آگے کا راستہ صاف کرلیا، اور کھلے سمندر میں گھس کر وہ مسقط (عمان) کے سامنے

نظر آیا، یہاں پرتگیزی قبضہ تھا، جہاں ان کے جہازات پہنچکر اور پہلے سے درست ہوکر دوبارہ سامنے آئے اور ترکی بیڑہ کا آگا روک لیا، ایک خونریز جنگ ہوئی جسمیں طرفین کا سخت نقصان ہوا، اور جب دونوں کے بیچ میں رات کا پردہ حائل ہوگیا تو دونوں ایک دوسرے سے الگ ہوگئے،، اتنے میں موسم ایسا بدلا اور ہوا اس قدر تیز ہوگئی کہ سیدی علی کا سمندر کے کنارہ کنارہ جانا ناممکن ہوگیا، گہرے پانی میں جاکر رات کی تاریکی میں سواحل عرب کے بجائے وہ بلوچستان کے سواحل پر نکل آیا، چند روز کی آوارہ گردی کے بعد اس نے پھر بحر احمر کا رخ کیا، مگر دفعۃً طوفان اس زور کا اٹھا کہ وہ پھر بہہ کر بحر ہند میں آگیا، گجرات کے ساحل نظر آنے لگے اور دمن کا بندرگاہ بھی ملا لیکن یہاں سے جلد نکلکر سورت کے بندرگاہ میں آکر دم لیا سیدی علی نے تھک کر جہازوں کو وہیں چھوڑا اور خشکی کا راستہ اختیار کیا۔ اسوقت آگرہ میں ہمایوں تخت نشین تھا، یہ ہمایوں سے ملتا ہوا، افغانستان وایران ہوکر عراق میں داخل ہوگیا، اور یہیں پر یہ مہم ختم ہوگئی۔

حبش، عرب اور ہند کے اسلامی مقبوضات کی حفاظت وحمایت کی راہ میں سلطان سلیمان کی یہ آخری کوشش تھی، گو اس کے بعد بھی کبھی کبھی پرتگالیوں سے معمولی چھیڑ چھاڑ ہوتی رہی مگر کوئی بڑا مقابلہ پیش نہیں آیا، سلطان مراد سوم کے زمانہ میں (۹۸۲ھ و ۱۰۰۳ھ) اس ارادہ میں پھر ایک نئی کوشش کا

آغاز ہوا، اور مشرقی افریقہ کے ساحل پر ایک معرکہ پیش آیا ۹۹۳ھ میں حسن پاشا والی یمن نے علی بیگ کی سرداری میں پرتگالیوں کے مقابلہ کو بیڑہ روانہ کیا، علی بیگ نے ۱۵۸۱ء میں مسقط پر کامیاب حملہ کیا، اب پرتگال بھی کمزور ہو چلا تھا، اور سمندر میں ڈچ اور انگریز جہازات بھی دکھائی دینے لگے تھے ۱۵۸۴ء میں والی نے دو جہاز باب المندب سے نکال کر مشرقی افریقہ کے ساحل پر بھیجے، تاکہ بحر احمر کے بیڑہ کے لئے افریقہ سے لکڑی ہاتھ آئے، علی بیگ ان جہازوں کو لے کر افریقہ کے ساحل پر پہنچا، اور ہر جگہ یہ خبر پھیلا دی کہ ایک بہت بڑا ترکی بیڑہ پرتگالیوں کو ان مقامات سے نکالنے کے لئے پیچھے آرہا ہے پرتگالیوں کی کمزوری نے اس افواہ کو اور زیادہ مضبوط کر دیا، سواحل اور جزیروں کے عربوں نے علانیہ ترکی کی حمایت کا اعلان کر دیا، موگا ڈیکسو، براوا، اور لاموجزائر اور ممباسہ نے ترکی حفاظت قبول کرلی، اور مالینڈی کے سوا ان اطراف میں کوئی مقام پرتگالیوں کے پاس نہیں رہ گیا۔

پرتگالیوں نے ایک بیڑہ بحر احمر میں بھیجا مگر وہ اس قدر ناقابل تھا کہ واپسی میں علی بیگ کے ان جہازوں کو بھی پکڑ نہ سکا، جو سامان اور تحائف اور ایک پرتگالی جہاز بھی مال غنیمت میں اپنے ساتھ لا رہے تھے رجب ۹۹۳ھ میں یہ ترکی جہاز سامانوں سے لدے ہوئے یمن کے ساحل پر لنگر انداز ہوئے ۱۵۸۹ء میں والی نے علی بیگ کا نہایت مسرت سے خیر مقدم کیا، پرتگالیوں نے

تھا جو یورپ میں قازان، استراخان ادکرین اور کریمیا کو چیرتا ہوا بحر اسود اور باسفورس کی راہ سے بحر متوسط (میڈیٹرینین) میں گھسنا چاہتا تھا، جہاں سے وہ ارض مقدس تک اپنی فوجوں کو پہنچا سکے، اور ایشیائے وسطیٰ میں تاتاری اور ترکمانی ریاستوں کو زیروزبر کرکے وہ ایران وافغانستان کے قلب میں چلا آنا چاہتا تھا

اسوقت دشت قفچاق و تتارستان میں جسکو اب یورپین روس کہتے ہیں بلغار، قازان، سائبیریا، استراخان (یا حاجی طرخان) ادکرین اور کریمیا کی اسلامی ریاستیں باقی تھیں، اور ترکستان و توران کی مردم خیز اسلامی سلطنتیں کاشغر، بخارا، فرغانہ، خیوا (خوارزم) داغستان، آذربائیجان، جرجستان، ارمنستان وغیرہ میں منقسم ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھیں۔

اندلس کے بعد سرزمین یورپ میں دوسری سب سے پہلی اسلامی سلطنت بلغار تھی، اسکو موجودہ بلغاریا (بلگیریا) نہ سمجھئے جو نہر ڈنیوب کے پار اب بلقان کی ایک ریاست ہی، بلکہ یہ یورپین روس میں کوہ اورال اور نہر والگا کے درمیان تھی اور کسی زمانہ میں اسکی وسعت پورے یورپین روس کو محیط تھی، اس کے مشرق میں کوہستان اورال اور نہر جایق تھی، جسکو اب دریائے اورال کہتے ہیں، اور مغرب میں نہر اوقا اور دریائے والگا کا سنگم تھا، اور جنوب میں سراطا اور نبزادوطامبوف کے صوبے تھے، اور شمال میں بحر منجمد (ARCTIC OCEAN) تھا جس کے بعد سویڈن اور ارخنجیل (ARCHANGEL) واقع ہی۔ بلغار کے بادشاہ نے

آغاز ہوا، اور مشرقی افریقہ کے ساحل پر ایک معرکہ پیش آیا۔ ۹۹۳ھ میں حسن پاشا والی یمن نے علی بیگ کی سرداری میں پرتگالیوں کے مقابلہ کو بیڑہ روانہ کیا، علی بیگ نے ۱۵۸۰ء میں مسقط پر کامیاب حملہ کیا، اب پرتگال بھی کمزور ہو چلا تھا، اور سمندر میں ڈچ اور انگریز جہازات بھی دکھائی دینے لگے تھے ۱۵۸۴ء میں والی نے دو جہاز باب المندب سے نکال کر مشرقی افریقہ کے ساحل پر بھیجے، تاکہ بحر احمر کے بیڑہ کے لیئے افریقہ سے لکڑی ہاتھ آئے، علی بیگ ان جہازوں کو لے کر افریقہ کے ساحل پر پہنچا، اور ہر جگہ یہ خبر پھیلا دی کہ ایک بہت بڑا ترکی بیڑہ پرتگالیوں کو ان مقامات سے نکالنے کے لیئے پیچھے آرہا ہے پرتگالیوں کی کمزوری نے اس افواہ کو اور زیادہ مضبوط کر دیا، سواحل اور جزیروں کے عربوں نے علانیہ ترکی کی حمایت کا اعلان کر دیا، موگا ڈیکسو، براوا، اور لامو جزائر اور ممباسہ نے ترکی حفاظت قبول کر لی، اور مالیندی کے سوا ان اطراف میں کوئی مقام پرتگالیوں کے پاس نہیں رہ گیا۔

پرتگالیوں نے ایک بیڑہ بحر احمر میں بھیجا مگر وہ اس قدر ناقابل تھا کہ واپسی میں علی بیگ کے ان جہازوں کو بھی پکڑ نہ سکا، جو سامان اور تحائف اور ایک پرتگالی جہاز بھی مال غنیمت میں اپنے ساتھ لا رہے تھے رجب ۹۹۳ھ میں یہ ترکی جہاز سامانوں سے لدے ہوئے یمن کے ساحل پر لنگر انداز ہوئے ۱۵۸۹ء میں والی نے علی بیگ کا نہایت مسرت سے خیر مقدم کیا، پرتگالیوں نے

تھا جو یورپ میں قازان، استراخان اد کرین اور کریمیا کو چیرتا ہوا بحر اسود اور باسفورس کی راہ سے بحر متوسط (میڈیٹر ینین) میں گھسنا چاہتا تھا، جہاں سے وہ ارض مقدس تک اپنی فوجوں کو پہنچا سکے، اور ایشیائے وسطی میں تاتاری اور ترکمانی ریاستوں کو زیر وزبر کرکے وہ ایران و افغانستان کے قلب میں چلا آنا چاہتا تھا

اسوقت دشت قپچاق و تتارستان میں جسکو اب یورپین روس کہتے ہیں بلغار، قازان، سائبیریا، استراخان (یا حاجی طرخان) اد کرین اور کریمیا کی اسلامی ریاستیں باقی تہیں، اور ترکستان و توران کی مردم خیز اسلامی سلطنتیں کاشغر، بخارا، فرغانہ، خیوا (خوارزم) داغستان، آذربائیجان، جرجستان، ارمنستان وغیرہ میں منقسم ہو ٹکڑے ہو گئی تہیں۔

اندلس کے بعد سرزمین یورپ میں دوسری سب سے پہلی اسلامی سلطنت بلغار تھی، اسکو موجودہ بلغاریا (بلگیریا) نہ سمجھئے جو نہر ڈنیوب کے پار اب بلقان کی ایک ریاست ہے، بلکہ یہ یورپین روس میں کوہ اورال اور نہر والگا کے درمیان تھی اور کسی زمانہ میں اسکی وسعت پورے یورپین روس کو محیط تھی، اس کے مشرق میں کوہستان اورال اور نہر جایق تھی، جسکو اب دریائے اورال کہتے ہیں، اور مغرب میں نہر اوفا اور دریائے والگا کا سنگم تھا، اور جنوب میں سراطا اور منزادطا مبوف کے صوبے تھے، اور شمال میں بحر منجمد (ARCTIC OCEAN) تھا جس کے بعد سویڈن اور ارخنجل (ARCHANGEL) واقع ہے۔ بلغار کے بادشاہ نے

خود بخود اپنی فطری ہدایت سے اسلام قبول کیا، اسوقت بغداد کے تخت پر خلیفہ مقتدر باللہ سند آرا تھا، شاہ بلغار نے خلیفہ کے پاس اپنے قاصد بھیجے، اور اپنے اسلام کا اعلان کیا، اور دار الخلافہ سے علماء، اور اہل علم و ہنر کی ایک جماعت طلب کی، چنانچہ خلیفہ نے ایک علم و لوا، اور چند علماء، اور اہل صنعت کو بلغار بھیجا، اس وفد میں احمد بن فضلان ایک اہل قلم تھا، اس نے اپنا پورا سفرنامہ لکھا تھا، جس کے کچھ اجزاء اب بھی ملتے ہیں اور نہایت دلچسپ ہیں، یہ وفد سنہ ۳۱۰ھ میں بغداد سے روانہ ہوا، بادشاہ بلغار کے مسلمان ہونے سے دربار کے تمام اکابر اور اکثر رعایا بھی مسلمان ہوگئی، اسوقت سے لیکر سنہ ۸۳۰ھ تک کسی نہ کسی صورت میں اس سلطنت کا نام و نشان ملتا ہے۔ اس کے بعد روسیوں کا دل، بادل جب اٹھا، تو پوری سلطنت کو بہا لے گیا۔ شہر بلغار جو اس مملکت کا پایۂ تخت تھا اس سرزمین میں تمدن اسلام کا زیارتگاہ اور مقبرہ ہے[۱]۔

یہ پہلی تاتاری یا تورانی اسلامی سلطنت تھی جو وحشی روسیوں کے ہاتھ سے سنہ ۸۳۸ھ مطابق سنہ ۱۴۳۰ء میں برباد ہوئی۔ یہ خلافت عثمانیہ سے ۵۰ برس پیشتر کا واقعہ ہے، اس کے بعد ان اطراف کی دوسری اسلامی ریاستوں کی باری آئی، اور آہستہ آہستہ روس نے تمام دشت قفچاق، تتارستان، ترکستان اور توران

---

[۱] اس اسلامی قوم اور سلطنت کے حالات سے عام مسلمان بہت کم واقف ہیں، اور یہ گویا تاریخ اسلام کا ایک کھویا ہوا صفحہ ہے، عنقریب اسکے حالات معارف کے ذریعہ سے آپکے سامنے ہونگے۔

روس نے سلطان سلیمان کے دربار میں پھر اپنے سفیر بھیجے، اور درخواست کی کہ
خان کو منع کر دیا جائے کہ وہ ان کارروائیوں سے باز رہے، سلطان نے انکی
یہ درخواست پھر قبول کی، خان نے یہ دیکھ کر کہ سلطان کو روسیوں کے ارادے
اور ان اطراف کے اسلامی ممالک میں جو کچھ اس سے خطرے ہیں ان سے واقفیت
نہیں ہے، اس بنا پر اس نے ایک سفیر بھیجکر سلطان کو تمام معاملات سے آگاہ
کیا، لیکن ایک روسی مسلمان مؤرخ لکھتا ہے کہ روس نے دربار سلطانی کے مشیروں
کو بہت سی رشوتیں دیں جنھوں نے خان کی تحریر کی تصدیق نہیں کی اور اس لیئے
یہ سفیر ناکام واپس آیا۔[1]

لیکن سلطان سلیمان سے اصل حقیقت کچھ زیادہ دنوں تک مخفی نہیں رہی،
روس کی اسلامی سلطنتیں، سلطان سلیمان کی کسی حیثیت سے ماتحت نہ تھیں، جو
تعلق تھا وہ صرف ایک تھا کہ وہ اسکو خادم الحرمین اور حامی دین مبین جانتی
تھیں، اس لیئے وہ اسکی معنوی اطاعت اپنا فرض سمجھتی تھیں، استراخان، کریما
اور نوغائی کے درمیان میں تھا اسلیئے وہ اپنے ان دونوں رقیبوں سے خوفزدہ
رہتا تھا، اس بنا پر اس نے چاہا کہ ان دونوں کے خلاف روس سے ساز باز
کرے اور اس سے اطاعت کا معاہدہ کر لے۔ یہ سب ہو رہا تھا کہ سلطان
سلیمان اعظم کو ان واقعات کی اطلاع پہنچی، اس نے خان استراخان کو

---

[1] تفصیل بلاتلفیق الاخبار جلد ۲ صفحہ ۸۶ و ۸۷ میں ہے۔

خود بخود اپنی فطری ہدایت سے اسلام قبول کیا، اسوقت بغداد کے تخت پر خلیفہ مقتدر باللہ سند آرا تھا، شاہ بلغار نے خلیفہ کے پاس اپنے قاصد بھیجے، اور اپنے اسلام کا اعلان کیا، اور دار الخلافہ سے علماء اور اہل علم و ہنر کی ایک جماعت طلب کی، چنانچہ خلیفہ نے ایک علم ولواء اور چند علماء اور اہل صنعت کو بلغار بھیجا، اس وفد میں احمد بن فضلان ایک اہل قلم تھا، اس نے اپنا پورا سفر نامہ لکھا تھا، جس کے کچھ اجزاء اب بھی ملتے ہیں اور نہایت دلچسپ ہیں، یہ وفد سنہ ۳۱۰ھ میں بغداد سے روانہ ہوا بادشاہ بلغار کے مسلمان ہونے سے دربار کے تمام اکابر اور اکثر رعایا بھی مسلمان ہوگئی، اسوقت سے لیکر سنہ ۸۳۸ھ تک کسی نہ کسی صورت میں اس سلطنت کا نام و نشان ملتا ہے۔ اس کے بعد روسیوں کا دل، بادل جب اٹھا، تو پوری سلطنت کو بہالے گیا۔ شہر بلغار جو اس مملکت کا پایہ تخت تھا اس سرزمین میں تمدن اسلام کا زیارتگاہ اور مقبرہ ہے[۱]۔

یہ پہلی تاتاری یا تورانی اسلامی سلطنت تھی جو وحشی روسیوں کے ہاتھ سے سنہ ۸۳۸ھ مطابق سنہ ۱۴۳۰ء میں برباد ہوئی۔ یہ خلافت عثمانیہ سے ۵۰ برس پیشتر کا واقعہ ہے، اس کے بعد ان اطراف کی دوسری اسلامی ریاستوں کی باری آئی، اور آہستہ آہستہ روس نے تمام دشت قفچاق، تتارستان، ترکستان اور توران

---

[۱] اس اسلامی قوم اور سلطنت کے حالات سے عام مسلمان بہت کم واقف ہیں، اور یہ گویا تاریخ اسلام کا ایک کھویا ہوا صفحہ ہے، عنقریب اسکے حالات معارف کے ذریعہ سے آپکے سامنے ہونگے۔

روس نے سلطان سلیمان کے دربار میں پھر اپنے سفیر بھیجے، اور درخواست کی کہ خان کو منع کر دیا جائے کہ وہ ان کارروائیوں سے باز رہے، سلطان نے انکی یہ درخواست پھر قبول کی، خان نے یہ دیکھ کر کہ سلطان کو روسیوں کے ارادے اوران اطراف کے اسلامی ممالک میں جو کچھ اس سے خطرے ہیں ان سے واقفیت نہیں ہے، اس بنا پر اس نے ایک سفیر بھیجکر سلطان کو تمام معاملات سے آگاہ کیا، لیکن ایک روسی مسلمان مؤرخ لکھتا ہے کہ روس نے دربار سلطانی کے مشیروں کو بہت سی رشوتیں دیں جنھوں نے خان کی تحریر کی تصدیق نہیں کی اور اس لیئے یہ سفیر ناکام واپس آیا۔[1]

لیکن سلطان سلیمان سے اصل حقیقت کچھ زیادہ دنوں تک مخفی نہیں رہی، روس کی اسلامی سلطنتیں، سلطان سلیمان کی کسی حیثیت سے ماتحت نہ تھیں، جو تعلق تھا وہ صرف ایک تھا کہ وہ اسکو خادم الحرمین اور حامی دین مبین جانتی تھیں، اس لیئے وہ اسکی معنوی اطاعت اپنا فرض سمجھتی تھیں، استراخان، کریمیا اور نوغائی کے درمیان میں تھا اسلیئے وہ اپنے ان دونوں رقیبوں سے خوفزدہ رہتا تھا، اس بنا پر اس نے چاہا کہ ان دونوں کے خلاف روس سے ساز باز کرے اور اس سے اطاعت کا معاہدہ کرلے۔ یہ سب ہو رہا تھا کہ سلطان سلیمان اعظم کو ان واقعات کی اطلاع پہنچی، اس نے خان استراخان کو

[1] تفصیل بالا تلفیق الاخبار جلد ۲ صفحہ ۸۶ و ۸۷ میں ہے۔

ایک فرمان بھیجکر اس سے باز رکھا[1]، اور اسی کے ساتھ دولت گرائے خان کریمیا اور مرزا یوسف نوغائی کو باہم الفت محبت اور اعانت و معاونت کی تاکید کے خطوط لکھے، اسکا یہ اثر ہوا کہ ان تینوں نے مل کر روس کے مقابلہ کا ارادہ کیا، اور روسی سفیر کو استراخان میں قید کر دیا، روس کو یہ بہانہ حملہ کے لیئے کافی تھا، بدبختی سے اسوقت ایوان روس میں ایک نوغائی سردار مرزا اسمٰعیل موجود تھا، اس نے شاہ روس کو اس حملہ کے لئے اور زیادہ آمادہ کر دیا، اور اسکو یہ بتایا کہ استراخان کا اصلی وارث درویش خان ہے، مشہور یہ ہے کہ مرزا اسمٰعیل خود روسی فوج کو لے کر آیا، استراخان کا پایہ تخت سرائے اسوقت بالکل خالی تھا خود خان دوسری جگہ تھا، روسیوں نے نہایت بیدردی سے استراخانیوں کو تہ تیغ کیا، اور پایہ تخت پر قبضہ کر کے معاہدہ اطاعت اور ادائے خراج کے وعدہ کیساتھ درویش خاں کو تخت نشین کیا، یمقورچی خان اپنے چند مصاحبین کے ساتھ ملک سے نکل گیا۔

درویش خان نے تخت نشین ہو کر، خانِ کریمیا سے روابط بڑھا کر اتحاد پیدا کیا، بلکہ اپنے بعد خانِ کریمیا ہی کے لڑکے کو اپنا ولیعہد بنایا، روسی اس اتحاد کے دشمن تھے، چنانچہ ۹۶۵ھ مطابق ۱۵۵۷ء میں درویش خان پر حملہ کر کے استراخان پر قبضہ کر لیا، اور شہر سرائے کو جو ان اطراف میں اسلامی تمدن کا

[1] تلفیق الاخبار فی تاریخ قازان والبلغار جلد ثانی صفحہ ۸ مطبوعہ اورنبرگ۔

مرکز اور بڑے بڑے علما کا مولد و مدفن تھا، بے نام و نشان کر دیا، مسلمان قتل ہوئے، شہر ویران کئے گئے، عمارتیں ڈھائی گئیں اور مسجدیں کنیسہ بنائی گئیں۔

سلطان سلیم ثانی جو ۹۷۴ھ مطابق ۱۵۶۶ء میں تخت نشین ہوا تھا، اس نے یہ دیکھ کر استراخان کی واپسی کا سامان کیا، اس نے فوج بھیجی، اور اطراف کے مسلمانوں کو جمع کیا، جنہوں نے اس کا محاصرہ کیا، اور چونکہ محاذ جنگ مرکز سلطنت سے دور تھا اسلیئے خان کریمیا کو لکھا کہ وہ اپنی کمک روانہ کرے، خان نے یا تو اس لیئے کہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ استراخان کا دشمن مردہ ہو کر پھر زندہ ہو جائے، یا وہ اس سے ڈرا کہ سلطان کا اثر یہاں نہ بڑھ جائے کہ وہ ماتحت ہو کر رہ جائے، بہرحال اسکی اصلی نیت جو کچھ ہو، اس نے اپنے مولویوں سے یہ فتویٰ دلایا کہ استراخان چونکہ ایسے منطقہ میں ہے جہاں گرمی میں رات صرف چار گھنٹوں کی ہوتی ہے، مغرب کے دو گھنٹہ بعد اٹھ کر عشا کی نماز پڑھنا ہوگی، اور پھر ابھی سونے بھی نہ پائیں گے کہ دو گھنٹے کے بعد پھر صبح کی نماز کی تیاری کرنا پڑے گی، جو نہایت مشکل اور صحت کے لیے مضر ہے، اور اگر آرام و صحت کا خیال کریں تو خدا کے سامنے ترک صلوٰۃ کے مجرم ہوں گے، اس لیئے ایسے ملک میں مسلمانوں کا رہنا جائز نہیں، اس فتویٰ کا اثر یہ ہوا کہ کریمیا کے مسلمانوں کی طرف سے سلطانی فوج کو متوقع مدد نہ مل سکی، علاوہ ازیں سردی، برفباری اور رسد کے ختم ہو جانے سے تمام فوج بیدل ہو گئی، اور سپاہی

نے نہایت آسانی سے اُسکو شکست دیدی۔

یہ تاریخ میں ٹرکی اور روس کی طویل سلسلۂ جنگ کی پہلی کڑی ہی جسکو ٹرکی نے ایک دوسری اسلامی سلطنت کی خاطر اپنے سر مول لیا تھا۔[۱۵]

استراخان کے بعد قازان کی باری آئی، قازان کے مسلمانوں نے درحقیقت توقع سے بہت زیادہ مقابلہ کیا، روسیوں کو کئی دفعہ کامل شکست دی، ایک دفعہ تو پایۂ تخت کی دیواروں کے نیچے سے ان کو واپس کیا ۹۳۱؁ھ مطابق ۱۵۲۳؁ء میں قازانیوں نے اس سے بہتر کوئی تدبیر نہ دیکھی کہ وہ سلطان سلیمان کو ان حالات سے اطلاع دیں، انھوں نے مراسلہ بھیجا کہ ہم مسلمان ہیں اور آپ مسلمانوں کے بادشاہ ہیں، ہمکو آپ اپنی حمایت میں لے لیجئے سلطان سلیمان نے ان کو اپنی حمایت میں لے لیا اور اپنے سفیر متعین ماسکو کے ذریعہ سے ایوان[۱۶] کو لکھ بھیجا کہ قازان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے، کہتے ہیں کہ ایوان نے سفیر مذکور کو رشوت دے کر سلطان کو یہ جواب لکھوا بھیجا کہ قازان ایک مدت سے روس کی حکومت میں داخل ہو چکا ہے اور اب خوانین قازان کا وہاں کوئی اثر نہیں ہے[۱۷] اور اسی کے ساتھ روس نے فوراً قازان پر حملہ کر دیا، قازان کے بہت سے امرا روس کے ساتھ جا کر مل گئے تھے، ان میں ایک مشہور امیر شیخ علی قازانی تھا، یہ روسی فوج کا سر عسکر بنا اور ان کو قازان کے قلعہ کے نیچے لا کر کھڑا کر دیا۔ صاحب

---

[۱۵] ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ جلد ۲۴ کی صفحہ ۳۶۷ [۱۶] یہ زمانہ روس کے بادشاہ کا لقب تھا [۱۷] تلفیق الاخبار جلد ۲ صفحہ ۱۹

کرائی خان جو اسوقت (۹۳۱ھ مطابق ۱۵۲۴ء) قازان میں خان تھا، اس نے ہمت ہار دی اور یہ کہہ کر وہ قازان کے قلعہ سے نکل گیا کہ میں سلطان کے پاس جاتا ہوں اور وہاں سے فوج لاکر روسیوں کی سرکوبی کرتا ہوں، قازانیوں نے اسکی جگہ پر صفای کرائی خان کو اپنا بادشاہ بنایا اور قلعہ بند ہوکر اس زور و شور سے لڑے کہ دشمنوں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔

روس نے اوس کے بعد دوبارہ اور سہ بارہ حملہ کیا، اور اودہر کفا کے پاشاؤں کو جو سلطان سلیمان کی طرف سے حاکم تھے ان کو برابر رشوتیں دیتا رہا کہ سلطان کو ان حالات کی اطلاع نہ پہنچنے پائے، اسپر بدقسمتی یہ کہ ۹۵۶ھ مطابق ۱۵۴۹ء میں قازان کے بادشاہ صفای کرائی خان نے انتقال کیا، اور ایک بیوہ سیوں بیگم اور ایک دو برس کا بچہ اوتمیش کرائی خان اپنے پیچھے چھوڑا، لوگوں نے اسی چھوٹے بچہ کو تخت پر بٹھایا، اور کریمیا کے خان، صاحب کرای خان کو خط لکھا کہ وہ اپنے لڑکے پولک کرائی سلطان کو یہاں کی خانی کے لئے بہیجدے، بدقسمتی پہ بدقسمتی یہ کہ خان اپنے لڑکے سے خوش نہ تھا۔ اس لئے خط کو سلطان سلیمان کے پاس بھجوادیا کہ سلطان قسطنطنیہ سے دولت کرای سلطان کو قازان بہیجے، دربار میں صاحب کرائی خان کے مخالفین کا بڑا گروہ تھا، اس نے سلطان کے ذہن نشین کیا کہ آپ صاحب کرائی کی کوئی چال ہے سلطان نے اسکو باور کیا اور صاحب کرای کو معزول کرکے دولت کرائی کو کریمیا کا خان بناکر بہیجا۔

ؔ تلفیق الاخبار جلد ۲ صفحہ ۱۳ ؔ صفحہ ۱۲۶ ؔ ایضاً صفحہ ۱۲۶ ،

دولت گرای نے کریمیا پہنچکر روس کو دہمکی دی کہ خبردار قازان کی طرف نہ بڑہنا
اور سلطان سلیمان نے امراء اور خانوں کو خطوط لکھے، اور خصوصًا مرزا یوسف نوغائی
کو جو قازان کے کمسن خان کا نانا تھا لکھا کہ تمام امراء روس کے مقابلہ میں متحد ہوجائیں،
یامرھم بالاتفاق والاجتماع تحت رایۃ الاسلام، وتخلیص قزان من مخلب الروسیۃ
اور ان کو حکم دیا کہ اسلام کے جھنڈے کے نیچے سب جمع ہوجائیں اور قازان کو روس کے پنجہ سے چھڑائیں،
اور نسل چنگیز سے کسی کو اتفاق آرا سے منتخب کرکے قازان کا خان بنالیں[1]. لیکن
چونکہ دولت عثمانیہ کے مقابلہ میں ان کو روسیوں سے ہمسائگی بھی اور ان کے تجارتی
تعلقات تھے، اسلیئے دین کو وہ دنیا پر ترجیح نہ دے سکے، مرزا یوسف نوغائی
نے جو سلطان سلیمان کا دوست تھا اور جسکو غایت خلوص سے سلطان امیرالامراء
کے لقب سے یاد کرتا تھا، اس نے تنہا ماسکو کا سفر کیا، اور چاہا کہ صلح و معاہدہ
سے معاملہ طے ہوجائے، مگر اسمیں بھی ناکامی ہوئی، ایوان روس نے قازانی
خیانت کار امرا کو فوجیں دے کر قازان کی طرف بھیجا اور خود بھی ایک بڑی فوج
لے کر روانہ ہوا اور شہر کا محاصرہ کیا، پھر خوب خوب لڑائیاں ہوئیں اور قازانیوں
نے خوب خوب داد شجاعت دی، یادگار محمد خان نوغائی کا سردار اپنے پانچسو
سوار لے کر قازان کو بچانے آیا، کریمیا اور عثمانی ترکوں نے مل کر روس کی توجہ اپنی
طرف ملتفت کرنے کے لیئے دوسری سمت میں روس پر حملہ کیا مگر ان کو شکست ہوئی

[1] تلفیق الاخبار صفحہ ۱۲۸ و ۱۲۹ و ۱۳۰،

اور بالآخر ۹۵۹ھ مطابق ۱۵۵۲ء میں اس عظیم الشان اسلامی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

قوزاق جنکو ہم قزاق اور اہل یورپ "کاسک" کہتے ہیں، یہ روس کے جنوبی علاقہ ڈان اور اوکرینیا میں رہتے ہیں، یہ پہلے ایک صحرانشین اور آوارہ گرد قبائل تھے، یہ تمامتر مسلمان ہیں، اور اپنا سلسلۂ نسب حضرت مالک بن انس سے ملاتے ہیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ مختلف تورانی قبائل کا ایک معجون ہے۔ ترکی لفظ قوزاق کے معنی فراری اور آوارہ گرد کے ہیں، چونکہ یہ متمدن اور بانظام سلطنتوں سے گھبراتے تھے اور اس لیئے مرکز سلطنت سے بھاگ کر دور نکل جاتے تھے اور لوٹ مار کرتے تھے، اس لیئے ان کو قوزاق کہتے تھے، اور یہ اب ان کا نام پڑ گیا، یہ ہمیشہ سے آزاد رہے اور سلطنتوں کے جکڑ بند کو انھوں نے گوارا نہ کیا مگر اب وہ زمانہ آیا جب یورپ کا احیا، ہو رہا تھا تو ایک طرف سے روس نے اور دوسری طرف سے پولینڈ نے ان کو دبایا، یہ لڑے مگر شکست کھا کر، روس اور پولینڈ میں آدھے آدھے بٹ گئے۔

قوزاق نے اپنے نئے مالکوں کے ہاتھوں سے سخت تکلیفیں اٹھائیں، اور بالآخر ۱۰۸۰ھ مطابق ۱۶۷۲ء میں انھوں نے اس آستانہ کی طرف رجوع کیا جو صدیوں سے مسلمانوں کا ملجا اور اسلام کا مرکز ہو گیا تھا، محمد فرید بے تاریخ دولت عثمانیہ میں اس واقعہ کو ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں:۔

"اس زمانہ میں سلطنت عثمانیہ کی وسعت شمالی اس وجہ سے بہت زیادہ بڑھ گئی کہ وہ تمام قوزاق جو روس کے جنوبی حصہ میں رہتے تھے، انھوں نے خلیفہ اعظم محمد چہارم کی اطاعت خود بخود اختیار کر لی، یہ لڑ کر مطیع نہیں بنائے گئے بلکہ خود بخود اپنی خواہش اور ارادہ سے حامی اسلام کے سایہ میں رہنا انھوں نے قبول کیا۔[1]"

خانِ قوزاق قسطنطنیہ آیا، اسکو سلطان نے علم و لوا عنایت کیا اور اسکو صوبہ اوکرن کا سنجق بے مقرر کیا، اور خانِ کریمیا کو فرمان بھیجا کہ دشمنوں کے مقابلہ میں قوزاق کی مدد کی جائے، یہ دیکھ کر پولینڈ نے قسطنطنیہ میں اپنی اعتراضی تحریر بھیجی، احمد کوپرلی جو دولت عثمانیہ کے بہترین وزراء میں گذرا ہے اس نے اس تحریر کا جواب حسب ذیل الفاظ میں دیا۔

"قوزاق جو آزاد لوگ تھے، انھوں نے اپنے آپ کو پولون کی ماتحتی میں دیدیا لیکن یہ دیکھ کر کہ وہ پولون کے ظلم و ستم کو زیادہ برداشت نہیں کر سکتے، انھوں نے ادھر ادھر اپنی جائے پناہ تلاش کی، اور اب وہ عثمانی علم کے نیچے ہیں اور اس کے تابع ہیں، اگر مظلوم ملک کے لوگ رہائی کی تلاش میں کسی بڑے شہنشاہ کی مدد کے خواستگار ہوں تو کیا یہ عقل مندی ہوگی کہ ان کے اس ملجاء و ماویٰ تک ان کا تعاقب کیا جائے؟ جبکہ تمام سلاطین زمانہ سے

[1] تلفیق الاخبار صفحہ ۱۳۵،

بڑھ کر طاقتور اور با جاہ و جلال سلطان ان کو ان کے دشمنوں سے نجات دلا رہا ہے اور مظلوموں کی مدد کر رہا ہے، تو ایسی حالت میں صلح شکنی کا الزام کس فریق پر عاید ہوگا، اگر مخالفت کی آگ کے بجھانے کی خاطر باہمی سمجھوتہ کی خواہش کی جائے تو اسکو جاری رہنے دو، اور اگر اختلافات کا حل اس تیز اور فیصلہ کن قاضی کے حوالہ کیا جائے جسکا نام تلوار ہے تو اسکا نتیجہ وہ خدا بتادیگا جس نے آسمان و زمین کو بے سہارے کھڑا کر رکھا ہے، اور جو اسلام کو ایک ہزار سال سے اسکے دشمنوں پر اپنی نصرت سے فتح دیتا رہا ہے[1]"

پولوں نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ اُس "تیز اور فیصلہ کن قاضی" کے فیصلہ پر عمل کیا جائے جسکا نام تلوار ہے، انھوں نے اوکرین اور کریمیا پر حملہ کی تیاری کی، ٹرکی نے چھ ہزار فوج پہلے ہی بھیجدی تھی، اور اب خود سلطان محمد چہارم بذات خاص پولینڈ کے مقابلہ میں فوج لے کر نکلا "تلوار" نامی قاضی نے یہ فیصلہ کیا کہ پول، اوکرین اور پوڈولیا دو صوبوں سے دستبردار ہو جائیں اور ۲۲ لاکھ کا سالانہ خراج ادا کریں، لیکن پول بہت جلد اپنے اس معاہدہ سے مکر گئے، اور دوبارہ لڑائی چھڑ گئی، پولینڈ کے ساتھ روس اور ان اطراف کے عیسائی امرا بھی مل گئے، فتح و شکست کا پلہ کبھی ادہر اور کبھی ادہر جھکتا رہا، اور آخر ۱۶۷۶ء میں وہی فیصلہ بحال رہا جو اس سے پہلے "قاضی شمشیر" میدان جنگ کی عدالت میں صادر کر چکا تھا اور اوکرین بدستور سلطان کے

[1] مورخین کی تاریخ عالم، جلد ۲ کی صفحہ ۳۸۸ ۔

ماتحت باقی رہا، اس کے بعد روسیوں نے تنہا اس میدان میں قسمت آزمائی کی اور سالہا سال کی جنگ کے بعد ۱۸۱۲ء میں پھر یہی فیصلہ بحال رہا کہ قوزاق بدستور سلطان کے ماتحت رہیں

اس کے بعد روس نے قوزاق کو تلوار کے خوف کے بجائے مال وزر اور جاہ و جائداد کی طمع دلا کر سلطنت عثمانیہ کی کمزوری کے زمانہ میں اپنا کر لیا، ان کے ساتھ بڑی بڑی مراعاتیں کیں اور ان کو فوج میں بھرتی کیا اور جو بعد کو روسیوں کے بہترین سپاہی ثابت ہوئے، اور تمام دنیا میں ان کے نام کی دھاک بیٹھ گئی خدا جانے کن اسباب سے خود روسی اور ان کے ساتھ یورپین اہل قلم بھی جن کا کام راستی اور سچائی کا اظہار ہے یہ مشہور کرتے رہے ہیں کہ قوزاق عیسائی ہیں، اس زمانہ کے ایک مسلمان روسی مورخ نے اس واقعہ کی نسبت سخت تعجب کا اظہار کیا ہے، اور لکھا ہے کہ "قوزاق میں ایک بھی غیر مسلم نہیں، گو روسی مشنری ان کو عیسائی مشہور کرنے کے اب تک درپے ہیں" یہ شاید اسلیئے کہ دنیا کو یہ معلوم نہ ہو کہ روسیوں کی طاقت مسلمان سپاہیوں کے دم خم سے قائم ہے،

اب ان اطراف میں لے دے کر صرف ایک اسلامی سلطنت خان کریمیا کی رہ گئی، اور اس نے اخیر ۱۸۵۳ء تک ساتھ دیا، گو کہ بیچ بیچ میں اس نے سرکشی بھی کی، ۱۸۳۸ء میں عثمان پاشا نے داغستان پر حملہ کیا، تو گو سخت معرکوں کے بعد اسکو کامیابی ہوئی، لیکن کریمیا کی پیشانی پر یہ داغ ہے کہ اُسنے

سلطان کے حکم کے باوجود عثمان پاشا کی مدد میں اپنی فوج روانہ نہ کی، لیکن اس بہادر سپہ سالار نے یہ کیا کہ داغستان سے چلکر پورے قفقاز کو عبور کرکے روسیوں کے دل بادل کو چیرتا ہوا جو اسکو راستہ میں ہر جگہ گھیر لینا چاہتے تھے، بحر اسود کے دوسرے کنارہ پر جا نکلا، اور کریمیا کے سامنے اپنی فوج لاکر کھڑی کردی خانِ کریمیا نے مقابلہ کرنا چاہا مگر اس دینی خیانت کا معاوضہ خود اس کے بھائی نے اس سے لے لیا اور پھر وہی سلطان کی طرف سے کریمیا کا خان مقرر ہوا۔

روسیوں نے کریمیا پر حملہ ۱۷۶۹ء میں کیا، یہ جنگ کئی سال تک قائم رہی اور بڑھتے بڑھتے یورپ اور ایشیا اور افریقہ میں ہر جگہ پھیل گئی، روسیوں کی بحری طاقت بڑھی ہوئی تھی، انھوں نے بحر اسود کے بندرگاہ طرابزون اور کریمیا پر حملہ کیا، جزائر یونان پر قبضہ کیا، بحر متوسط میں آکر مصر کے باغی گورنر علی پاشا کو مدد دی، بیروت پر گولہ باری کی اور قسطنطنیہ پر حملہ کی تیاری کی لیکن کریمیا کے علاوہ ہر جگہ سے تھوڑے دنوں کے بعد ان کو ہٹ جانا پڑا، ۱۷۷۲ء میں پہلی مجلس صلح میں روسیوں نے یہ شرطیں پیش کیں کہ کریمیا کے تاتاری سے دولت عثمانیہ قطع تعلق کرلے، حکومت عثمانیہ میں جس قدر آرتھوڈکس عیسائی ہیں وہ روس کی سرپرستی میں دیئے جائیں اور روس کے حاکم کو آئندہ سے بادشاہ لکھا جائے۔ سلطان نے یہ شرطیں نامنظور کیں، بالآخر ۱۷۷۴ء میں فریقین نے ان شرائط پر دستخط کیے کہ تاتار کریمیا و بسیربیا و قوبان سیاسی حیثیت سے خودمختار

ہونگے لیکن مذہبی حیثیت سے وہ سلطان کے تابع رہیں گے اور وہ تمام مقامات اور قلعے جن پر روسیوں نے قبضہ کرلیا وہ خان کریمیا کے سپرد کردیئے جائیں، اور روسی آستانہ کے محلہ پیرا میں اپنا گرجا بنا سکیں گے، اور تمام آرتھوڈکس روسیوں کے مذہبی اثر میں سمجھے جائیں گے۔ اور حاکم روس کو بادشاہ لکھا جائے گا، اور روسی، جزائر اور گرجستان وغیرہ کے شہروں کو ٹرکی کے حوالہ کردینگے۔

کریمیا کی آخری بربادی اور سلطنت روس کے اُسپر قبضہ کی تاریخ شاید ہندوستان کے لوگوں کو یاد ہو کیونکہ اس جنگ میں ہماری "اسلام دوست سرکار" نے بھی کریمیا کے مسلمانوں پر رحم کھاکر ان کے بچانے کے لیئے اپنی ہندوستانی فوج بھیجی تھی، اور جسکی سنت کے "بار گران" سے اس جنگ عظیم کے بعد بھی مسلمان "سبکدوش" نہیں، کریمیا کی بربادی کا واقعہ یہ ہے کہ بیت المقدس کے عیسائی مقدس مقامات اور کنیسوں کی تولیت کا فخر سلطان سلیمان کے زمانہ سے فرانس کو حاصل تھا، فرانس کیتھولک اور روس آرتھوڈکس ہے، ان دونوں فرقوں نے بیت المقدس کی تولیت پر اصرار کیا، روس نے اپنے فرقہ کی جنبہ داری کی، ٹرکی نے اس معاملہ کے طے کرنے کے لیئے مختلف عیسائی سلطنتوں کے نمایندوں کا ایک کمیشن مقرر کیا۔ متعدد نشستوں کے بعد اس کمیشن نے فیصلہ کیا کہ بیت المقدس کے عیسائی مقدس مقامات کی تولیت بدستور فرانس کے ہاتھ میں رہے۔ روس نے اعلان کیا کہ اگر بیت المقدس کی تولیت فرانس کے حوا۔

کی گئی تو وہ بزور شمشیر اس فیصلہ کو رد کر دیگا، ٹرکی نے اس فیصلہ سے انحراف نہ کیا اور ایک عظیم الشان جنگ جسمیں اس کے لاکھوں سپاہی مارے گئے اور کئی صوبے اس کے ہاتھ سے نکل گئے لیپنے سر لی، اسی کا نام جنگ کریمیا ہے اور جس میں فرانس اور انگلستان نے روس کے مقابلہ میں ٹرکی کا ساتھ دیا، اور یہی وہ "منت عظیم" ہے جس کا ذکر بار بار اخبارات میں آجکل آیا ہے۔

روس نے ایشیا اور یورپ سلطنت کے دونوں گوشوں پر اپنا پر زور حملہ شروع کر دیا ٹرکی کی فوج کے ہیرو یورپ میں عمر پاشا اور ایشیا میں عبدہ پاشا تھے، دونوں نے بہادری سے روسیوں کا سامنا کیا، اور باوجود ہر قسم کی مشکلات کے اپنے کارناموں سے دنیا کو محو حیرت کر دیا، بہر حال یہ جنگ ۱۸۵۳ء سے شروع ہو کر ۱۸۵۶ء میں ختم ہو گئی، اور اسی کے ساتھ تاتاریوں کی آخری اسلامی ریاست کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

ترکستان اور قفقاز میں جو اسلامی ریاستیں تھیں دسویں صدی ہجری اور سولہویں صدی عیسوی کے وسط میں وہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم ہو گئی تھیں، ترکستان میں بخارا، خوقند اور خیوا کی ریاستیں تھیں، ہر ریاست میں حصولِ تخت کے لیئے خانہ جنگیاں برپا تھیں، ترکستان کا ایک حصہ جو افغانستان کے متصل تھا وہ تیموریوں کے ہاتھ میں تھا، بدخشاں میں ہمایوں کا بھائی حاکم تھا، ماوراء النہر کی حکومت میں جس کا دار الحکومت سمرقند تھا، عبداللطیف خان

والیٔ توران کے مرنے سے وہاں بھی خانہ جنگیاں برپا تھیں، سمرقند میں خان مرحوم کا جانشین براق خان ہوا تھا، بلخ میں پیر محمد خان، قندوز اور ترمذ میں اسکا چھوٹا بھائی اور بخارا میں برہان سعید خان نے اپنی اپنی خود مختاری کے علم کھڑے کئے تھے، ان میں سے ہر ایک سلطان عثمانی کے سایہ میں پناہ ڈھونڈ رہا تھا سلطان نے یہ مناسب سمجھا کہ ماوراءالنہر و توران کے اصلی جانشین براق خان کی مدد کی جائے، اس زمانہ میں فوجی تنظیم اور توپ اور بندوق کا وجود صرف ترکی فوج میں تھا، سلطان نے ۳۰۰ ینگچری سپاہی نئے آلات سے مسلح کرکے نہایت خفیہ اور حیلہ و بہانہ سے ایرانی صفویوں کی نظر بچا کر براق خان کے پاس بھیجے، یہ چند سو سپاہی اپنی فوجی تعلیم اور جدید آلات کے اعجاز کے باعث براق خان کے لیے رحمت ثابت ہوئے اور انہیں کے ذریعہ ان ملکوں میں یہ اسلحہ پہنچے۔[۱]

شاہجہان نے اپنے زمانہ میں بخارا کو اپنی حدود حکومت میں داخل کرنے کا ارادہ کیا اور ہندوستان سے بہت بڑی فوج روانہ کی، اس مہم کی پوری تفصیل ہندوستانی تاریخوں میں موجود ہے، والیٔ توران نے سلطان سلیمان کے دربار میں فریاد کی، سلطان نے شاہجہان کو جو خط لکھا ہے اور شاہجہان نے جو اس کا جواب دیا ہے وہ آج بھی اوراق میں محفوظ ہے۔ سلطان سلیمان نے ہر طرح کوشش کی ہے کہ ان دونوں مسلمان بادشاہوں میں صلح و آشتی سے معاملات طے پا جائیں،[۲]

---

[۱] ترکی امیر البحر سیدی علی نے اپنے سفرنامہ میں یہ تمام واقعات لکھے ہیں۔ [۲] یہ مراسلات فیاض القوانین کے قلمی نسخہ مخزونہ میں

خیوا کی ریاست پر سلطان سلیمان کے زمانہ میں دوست محمد خان حاکم تھا،
حاجی خان اس کا رقیب اسکو اور اس کے بھائی علیش سلطان کو قتل کر کے خود
حکمران بنگیا، یہاں مسلمان باہم دست وگریبان تھے، اور اسی کے قریب چند
سال پہلے روسیوں نے استراخان کی اسلامی سلطنت کو برباد کیا تھا، روسی
جب موقع پاتے تھے ادہر بڑہتے چلے آتے تھے، ترکی امیر البحر جب اسی زمانہ
میں یعنی ۹۶۵ھ مطابق ۱۵۵۶ء میں ادہر سے گذر رہا تھا تو ہر جگہ اسکو نظر آرہا تھا
کہ لوگ روسیوں کی آمد سے خوف زدہ ہیں، اور اسکو راستہ میں سلٹے ہوئے اسے تجے
کچے مسلمان ان اطراف سے بھاگ کر کتے ہوئے ملے، تاہم روسیوں نے مدت تک
ادہر رخ نہیں کیا، ان اطراف میں بعض غیر مسلم تاتاری قبایل اب بھی موجود تھے،
جنکے ہاتھ سے مسلمان تکلیف اٹھاتے تھے، اور وہ بے تکلف روسیوں کے ساتھ
ہوجاتے تھے سلطنت عثمانیہ نے سترہویں صدی کے آخر یا اٹھارہویں صدی
کے شروع میں فرخ پاشا کو ان اطراف میں اسلام کی تبلیغ اور اشاعت کیلئے بھیجا[۱]
بخارا اور خیوا کی ریاستیں انیسویں صدی کے اواخر میں روسیوں کی باجگذار
ہوئیں، یعنی اسوقت جب ۱۸۸۰ء میں انگریزوں نے خدیو مصر کو اور ۱۸۸۲ء میں
فرانس نے بای تونس کو اپنا پایہ تخت بنایا، ۱۸۶۸ء میں امیر بخارا اور ۱۸۷۳ء
میں امیر خیوا نے خونریز لڑائیوں کے بعد روسی حمایت میں آنا گوارا کیا، یہ وہ وقت تھا

[۱] مقدمہ پروفیسر دیمبری بر ترجمہ مرأة الممالک سید علی امیر البحر،

جب خلافت عثمانیہ ہر چہار طرف سے دشمنوں کے نرغہ میں پہنچکر بے دست و پا ہو چکی تھی، تاہم اسوقت بھی اس سے جو کچھ ہو سکتا تھا۔ اس سے پہلو تہی نہیں کی تھی۔ چنانچہ انیسویں صدی کے وسط میں سلطان عبدالمجید خان نے امیر بخارا کے پاس بخاریوں کو جدید فن جنگ کی تعلیم دینے کے لیئے اور وہاں جدید طریق پر باقاعدہ فوج قائم کرنے کے لیئے ترکی فوجی افسر اور معلمین جنگ بھیجے[۵۱]،

ترکستان کا وہ علاقہ جسپر چین نے قبضہ کر لیا تھا یعنی کاشغر اتالیق غازی یعقوب خوش بیگی نے اسی زمانہ میں چینیوں کو وہاں سے نکالکر اپنی سلطنت قائم کر لی تھی سلطان نے اسکی پاس بھی فوجی مدد بھیجی اور فوج کی تعلیم کیلیئے ترکی افسر اور معلم روانہ کیئے۔[۵۲]

روسیوں نے ان علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد مسلمانوں پر جو مظالم کیئے اور روسی مشنریوں نے ان کے عیسائی بنانے کے لیئے جو جابرانہ کوششیں کیں، ان کی تفصیل کے لیئے ایک دفتر چاہیئے مگر سوال یہ ہے کہ ان مظالم کو سُن کر باسفورس کے کناروں پر بسنے والے مسلمانوں کے علاوہ کس کے سینہ میں دل تڑپا؟ اور کسکی آنکھیں اشکبار ہوئیں؟ اور کس نے ان کو اس ورطۂ ستم سے نکالنے کے لیئے اپنے ہاتھ پاؤں ہلائے؟ انیسویں صدی عیسوی کے اواخر کے خونریز معرکۂ روم و روس کے بعد ۱۸۷۸ء میں جب برلن میں صلح کی کانفرنس بیٹھی تو ترکی سفیر نے روسی مسلمانوں کے مصائب اور ان کی بیکسی و مظلومیت کی

[۵۱] مقدمہ پروفیسر دیمبری بر ترجمہ مرآۃ الممالک سید امیر البحر علی [۵۲] ایضاً،

داستان یورپ کی مجلس صلح کے سامنے پیش کی، روسی سفیر نے اس کے جواب میں روسی مسلمانوں کی طرف سے اور ان کے دستخطوں سے ایک محضر پیش کیا جو یا جعلی تھا یا چند منافق مسلمانوں کا یہ کام تھا اور یا جبراً مسلمانوں سے لکھوایا گیا تھا، جسمیں تحریر تھا کہ یہ واقعات سر تا سر غلط ہیں، اور ہم شہنشاہ روس کے زیر سایہ نہایت امن و اطمینان کے ساتھ ہیں، ترکی سفیر اس محضر کو دیکھ کر ندامت کے سوا اور کچھ جواب[1] نہ دے سکا، بالآخر ۱۸۹۱ء میں روسی مسلمانوں کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا، قازان کے علما نے عربی میں ایک پر درد اور دل ہلا دینے والا فریاد نامہ لکھ کر علمائے حرمین کی خدمت میں بھیجا، اور لکھا کہ اسکو شیخ الاسلام کے ذریعہ سے امیر المومنین اور حامی دین مبین کی پیشگاہ تک پہنچا دیجئے۔

اس فریاد نامہ کے آغاز اور خاتمہ میں عربی کے چند اشعار ہیں جنکو سن کر ایک مسلمان کا دل سینہ سے باہر نکل آتا ہے:۔

اسادتنا لکم شأن کبیر	بکم مما نخاذر نستجیر
اے ہمارے بزرگو آپ کی شان بڑی ہے	آپکے سایہ میں ہم مصائب سے پناہ ڈھونڈتے ہیں
خذوا ثار الدیانة وانصروها	لقد حامت حوالیها النسور
اپنے دین کا انتقام لیجئے اور اسکی مدد کیجئے	اس کے چاروں طرف گدھ منڈلا رہے ہیں
ونحن بخطة فیها صغار	یشیب لکربه الطفل الصغیر
ہم ایسے ملک میں ہیں جس میں ایسی ذلتیں ہیں	جنکی تکلیف سے بچے بوڑھے ہوجاتے ہیں

[1] تقلیق الاخبار جلد ۲ صفحہ ۳۱۷۔

تجاذبنا الاعادی باصطناع — فینخدع المخوّل والفقیر

دشمن ہمکو قریب سے چاروں طرف کہینچ رہا ہی جس سے امیر اور غریب سب دہوکا کہا رہے ہیں

وبعضنا النصاریٰ ای قلب — علی هذا یقرّ ولا یطیر

عیسائی ہم کو چبا رہے ہیں کون دل ہی — جو اسپر ساکن رہیگا اور تڑپ نہ جائیگا

مضی الاسلام فابك دما علیه — وهل یطفی الجوی الدمع الغزیر

اسلام مرگیا اب اسپر خون کے آنسو بہائیے — اور کیا دلوں کی سوزش کو آنسو بجھا سکتے ہیں

فیا اسفاه یا اسفاه حزنا — یکرر ما تکررت الدهور

افسوس !! افسوس !! اس غم سے — جبتک زمانہ قائم ہی یہی آواز دہرائی جاتی رہیگی

نخور اذا دهینا بالرزایا — وهل مصغ الی بقر تخور

مصیبتیں ہم پر آتی ہیں تو ہم چیخ اٹھتے ہیں — لیکن کمزور جانوروں کی فریاد کون سنتا ہے

الیس لنا ابی النفس شهم — یدور مع الدوائر اذ تدور

کیا ہماری مدد کے لئے کوئی خوددار بہادر نہیں؟ — جو مصیبتوں کے ساتھ ساتھ گہومتا رہے

فریادنامہ کے آخر میں اس دردناک قصیدہ کے چند شعر تھے جو مسلمانان اندلس نے اپنی تباہی کے دنوں میں مسلمانان عالم کے نام لکھا تھا۔

علمائے حرمین نے اس فریادنامہ پر اپنے دستخط ثبت کرکے اور اسکو چہپواکر حکام اور اعیان میں تقسیم کیا اور اسکے کچھ نسخے علمائے قسطنطنیہ کے پاس بھیجدیئے، علمائے قسطنطنیہ کے پاس جب یہ فریادنامہ پہنچا تو ان میں ایک

اضطراب برپا ہو گیا، جامع یلدز میں سلطان جمعہ کی نماز ادا کرتے تھے، ایک پرجوش عالم سید اسعد مدنی نے موذن کو حکم دیا کہ جمعہ کے دن رسم سلاملق کے موقع پر یہ فریادنامہ شیخ الاسلام کی خدمت میں پیش کیا جائے، اور خود اس فریادنامہ کا ترکی میں ترجمہ کر کے سلطان کے حضور میں پیش کیا سلطان نے اپنے سفیروں کے ذریعہ سے ایک تحریر حکومت روس کو بھیجی، روس کا مسلمان مورخ لکھتا ہے کہ اس تحریر کا بہت اچھا اثر ہوا، اور مسلمانوں کی تکالیف میں تخفیف ہو گئی، اور ان کو حکومت روس میں اس سے تعلیم و ترقی کے مواقع بہم پہنچے،[۱]

نادر شاہ کے بعد افغانستان روس و انگلستان کی سیاسی سازشوں کے پیچ میں گرفتار تھا، ترکستان و قازان وغیرہ میں مسلمانوں کے ساتھ روس کا جو برتاؤ تھا اسکو دیکھ کر افغانستان کے لیئے یہی صلاح مناسب تھی کہ وہ روس کے بجائے انگلستان کا ساتھ دے کر اپنی زندگی کو خطرہ سے بچائے، سلطان نے اپنا ایک سفیر امیر افغانستان کے پاس بھیجا، امیر عبدالرحمن خان تزک میں لکھتے ہیں کہ چونکہ افغانستان میں سلطانی سفیر کی آمد کا یہ پہلا موقع تھا، اسلیئے امیر نے یہ سمجھا کہ یہ بنا ہوا سفیر ہے، ۱۸۸۰ء میں امیر شیر علی خان نے غالباً روسیوں کے اشارہ سے انگریزوں کے برخلاف ایک مہم کی تیاری کی، اور سرحد پر جہاد کی پرزور تبلیغ کی، اس موقع پر سلطان نے اپنا ایک سفیر بھیجا، اور امیر کو اس سے باز رکھا، امیر عبدالرحمن خان نے تزک میں لکھا ہے کہ یہ فرمان سلطانی نہایت

[۱] تلخیص الاخبار جلد ۲ صفحہ ۷۰

موثر ہوا، اور امیر شیر علی خان نے اپنے رویہ کو بدل دیا۔ روس نے اس اثر کو مٹانے کے لیئے اسکے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا کہ وہ یہ باور کرائے کہ یہ سفیر سلطان کا فرستادہ نہیں بلکہ جعلی شخص ہے۔

اس کے بعد جب امیر عبدالرحمن خان نے خداداد سلطنت افغانستان کے تخت پر جلوس فرمایا، اور سلطنت کے نظم و نسخ کو درست کیا اور افغانستان میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا تو ترک ہی تھے، جنہوں نے امیر مرحوم کو اس کار خیر میں مدد دی، ترک افسروں اور معلموں نے آکر افغانستان میں فوج کی ترتیب و تنظیم کی اسکو جدید آلات و اسلحہ کا استعمال سکھایا اور کابل میں مدرسہ حربیہ قائم کیا اور بحمد اللہ کہ وہ سلسلہ آج بھی قائم ہے اور سب کے سامنے ہے۔

قفقاز کا ذکر بے سود ہے کہ اس خطہ کا کونسا اسلامی شہر ہے کہ جسکو ترکوں نے اس وقت تک روسیوں کے حوالہ نہیں کیا جبتک اپنے سپاہیوں کی لاشوں سے اس شہر کی خندق کو پاٹ نہیں دیا ہے اور اس وسیع رقبہ زمین کا کون سا چپہ ہے جہاں عثمانی سپاہی کا خون نہیں بہاہے۔

اس تمام داستان کو ختم کر کے ہمارے ناظرین اب سمجھے ہوں گے کہ خلافت عثمانیہ نے دنیائے اسلام کی خدمت گزاری کا فرض کس طرح ادا کیا، اور صدیوں تک اس بار عظیم کو اُس نے کیونکر اٹھایا؟

خلافت عثمانیہ

اور

دنیائے اسلام و مسیحیت کا اعتراف

ترکوں کے استحقاق خلافت و عدم استحقاق پر بیسیوں تحریریں نظروں کے سامنے آچکی ہیں، ان صفحات میں اس سے بحث نہیں کہ قریشیت کی شرط، خلافت کے لیئے ضروری ہے یا نہیں، یا بعض شرائط خلافت کے فقدان کے باوجود اگر سلطان مستولی اسکا دعویٰ کرے تو اسکو تسلیم کرنا چاہیئے یا نہیں ہے یا اگر ایک مدعی میں قریشیت کے علاوہ دیگر شرائط موجود ہیں اور دوسرے میں صرف ایک یہی نسبی امتیاز پایا جاتا ہے، تو کسکو ترجیح ہوگی؟ اس تحریر کا مدعا صرف یہ ہی کہ ہر قسم کے نقائص اور فقدان شرائط کے باوجود دنیائے اسلام نے یا اسلامی دنیا کے اکثر حصہ نے سلاطین عثمانیہ کی امامت و خلافت کو کہاں تک تسلیم کیا اور نیز ان کے حریف سلاطین یورپ اور نصاریٰ نے بھی انکی اس حیثیت کا کہاں تک اعتراف کیا؟

یہ امر محتاج دلیل نہیں کہ گذشتہ چار صدیوں تک مسلمان اور ترک دونوں مرادف الفاظ سمجھے گئے ہیں، نبی عربی صلعم کا نام اس زمانہ میں "ترکوں کا پیغمبر" تھا، رمضان مبارک کا نام اب بھی یورپ کی جنتریوں میں "ترکی مہینہ" ہے

ان پورے چار قرنوں میں اسلام کے وکیل، نمایندہ، ترجمان جو کچھ کہو اسکی حیثیت صرف ٹرکی کو حاصل رہی ہے۔ ٹرکی سے جنگ اسلام سے جنگ اور ٹرکی سے صلح اسلام سے صلح سمجھی گئی، نہ صرف مسلمانوں نے بلکہ دوسری قوموں نے بھی ہمیشہ یہی سمجھا، تمام کرۂ ارضی میں ناموس اسلام کی نگہداشت، مظلوم مسلمانوں کی دادخواہی و فریادرسی، شعائر اسلام کا قیام، مملکت اسلام کی سرحدوں کی حفاظت، اماکن مقدسہ کی خدمت گزاری کے تمام فرائض سلاطین عثمانیہ نے اور صرف سلاطین عثمانیہ نے انجام دیئے ہیں، اور یہی خلافت و امامت کے فرائض ہیں، ان کے سوا اور کیا ہیں؟ پھر ان لوگوں نے جنہوں نے اس فرض کو تمام دنیائے اسلام میں یکہ و تنہا انجام دیا، وہ امیر المومنین اور امام المسلمین نہیں ہیں؟ یہ سچ ہے کہ ان میں کوئی عمر فاروق یا عمر ابن عبد العزیز نہ تھا لیکن آخر ہم میں صحابہ اور تبع تابعین کون تھے؟

سنا ہے کہ ہمارے عرب بھائیوں کو سلاطین عثمانیہ کی اس پیشوائی سے انکار تھا، اسلیئے ہمکو پہلے انہیں کی طرف سے شروع کرنا ہے۔ جس زمانہ میں سلطان سلیم مصر و عرب کو اپنے دائرۂ اختیار میں لایا ہے، مصر کے عمال یمن کے عربوں سے برسرِ جنگ تھے، مصر کے مملوک سلطان کی طرف سے یمن میں جو والی تھا وہ اسوقت ریگستان عرب میں شیوخ عرب سے برسرِ پیکار تھا لیکن اسی معرکۂ کارزار اور ہنگامۂ گیر و دار میں جب سلطان سلیم کا آوازہ اُس کے کانوں

تک پہنچا اور اسکو معلوم ہوا کہ عراق و شام اور حجاز کے مسلمانوں نے اس کا نام اپنی مسجدوں میں خطبہ میں پڑھا تو سب سے پہلے اس نے لبیک کہا اور برسر عام اسکی پیشوائی کا اعلان کیا روح الروح کا یمنی مورخ لکھتا ہے کہ جب مصری امیر سکندر کو یمن میں مصر کی منتوحانہ شکست اور سلطان سلیم کی فتح کا حال معلوم ہوا تو اپنی حفاظت کے لیئے۔

فجمع الناس الى الجامع، واعلمهم باستيلاء سلطان الاسلام سليم خان على مصر وسلطانها واستقراره في ايوانها، وخطب على منبرها مع صنعا واستظهر بانتسابه الى طاعة السلطان سليم (روح الروح قلمی)

اس نے لوگوں کو جامع مسجد میں جمع کیا اور سلطان الاسلام سلیم کی فتح مصر کی اطلاع دی، اور صنعا (پایہ تخت یمن) کی جامع مسجد کے منبر پر خطبہ پڑھا، اور سلطان سلیم کی اطاعت کی طرف اپنے کو منسوب کر کے قوت حاصل کی،

عرب کے شیوخ اور امراء میں جس نے ترکی حکام کی دستبرد کا سب سے پر زور مقابلہ کیا وہ امام یمن ہے، لیکن یہ سن کر حیرت ہوگی کہ ان میں سب سے پہلے اسی نے سلاطین عثمانیہ کے دعوی کو قبول کیا، خوش قسمتی سے اسوقت ہمارے سامنے ان سرکاری مراسلات کی نقلیں موجود ہیں، جو اس معاملہ میں سلطان سلیمان اور فخر الدین مطہر بن شرف الدین کے مابین ہوئی تھیں۔ یہ نادر تاریخی سرمایہ قلمی تاریخ یمن روح الروح کے آخر میں کسی صاحب ذوق نے نقل کیے ہیں، یہ نسخہ عرب سے ایک صاحب علم بزرگ حاجی عبدالکریم صاحب مرحوم (مولانا شبلی مرحوم کے

مامون اپنے ساتھ ہندوستان لائے تھے، اور اب یہ دارالمصنفین کی ملک ہے۔

سلطان سلیمان نے اپنے مراسلہ میں امام کے حسب و نسب اور سیادت و شرافت کی عزت کی ہے، اور پرتگیزوں کی لڑائی میں سابق امام یمن نے عسکر سلطانی کو جو امداد دی تھی اسکا شکریہ ادا کیا ہے، اور امام کی اطاعت و انقیاد کی تعریف کی ہے، اور لکھا ہے کہ "آپ کے والد نے سب سے پہلے میری اطاعت قبول کی" اس کے جواب میں امام مطہر نے حمد و نعت کے بعد سلطان کے لئے یہ القاب لکھے ہیں،

شمس سماء الخلافة وقمرها المضیئ فی اللیل البهیم ظل الله فی ارضه العریضة حجة الله الواضحة ودلالته الناصحة للخلق علی التعمیم، امین الله علی خلقه وخلیفته القائم بحقه،	آسمان خلافت کے آفتاب اور شب تار میں خلافت کے ماہ درخشان، خدا کی زمین میں خدا کا سایہ، اور اسکی روشن دلیل تمام خلق پر، خدا کے خلق پر خدا کے امین اور اسکے خلیفہ جو اسکے حق کا ذمہ دار ہے،

اور اس کے بعد اپنی اطاعت اور خیر خواہی کا یقین دلایا ہے اور سلطان و امیر کی اطاعت کی حدیثیں نقل کی ہیں۔

جس کتاب کے ساتھ یہ مراسلات شامل ہیں اسکا نام "روح الروح بعد المائة التاسعة من الفتوح" ہے یہ نویں صدی ہجری کے واقعات و متعلقات یمن کی تاریخ ہے، مصنف کا نام عیسیٰ بن لطف اللہ بن مطہر بن شرف الدین ہے،

اور یہ غالباً یمن کے امام مذکور مطہر بن شرف الدین کا پوتا ہے، سنہ ۹۰۱ھ سے سنہ ۱۰۲۸ھ تک کے واقعات اسمیں درج ہیں، اس کتاب میں مصنف نے واقعات کی تقریب سے جا بجا سلاطین عثمانیہ کا ذکر کیا ہے اور انکی امامت و سیادت کا علانیہ اعتراف کیا ہے کتاب کے دیباچہ میں والی یمن محمد پاشا کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے،

حضرۃ مولانا ومالك امرنا و — ہمارے آقا اور ہمارے مالک اور ہمارے

خلیفۃ خلیفۃ عصرنا ، — زمانہ کے خلیفہ کا خلیفہ (جانشین)

بیچ بیچ میں جہاں جہاں سلاطین عثمانیہ کا نام آیا ہے ان کے ساتھ یا تو انکا قدیم سرکاری لقب سلطان الاسلام پادشاہ اسلام یا اسی قسم کے اور القاب لکھے ہیں، اور وہ اس کثرت سے ہیں کہ ہم ان کا استقصا نہیں کر سکتے سلطان سلیم کو لکھا ہے سلطان الاسلام والمسلمین، سنہ ۹۷۶ھ میں جب عدن فتح ہوا ہے تو وہاں کے منبر پر سلطان الاسلام کا خطبہ پڑھا گیا، سنہ ۹۸۲ھ میں جب سلطان سلیم ثانی بن سلیمان اعظم نے وفات پائی اور سلطان مراد سریر آرا ہوا تو اس کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے: "سلطان الاسلام والمسلمین ظل اللہ علی العٰلمین۔ سلیم بن سلیمان خان نے وفات پائی اور ان کی جگہ پر سلطان اعظم، بادشاہ عرب و عجم، سلطان مراد نے جلوس فرمایا، خدا ان کو خلافت میں اپنی مراد کو پہنچائے"۔

نویں صدی ہجری میں بغداد کے مشہور عالم اور مفسر اور مفتی اعظم مفتی ابوالسعود بغدادی، جنکی ضخیم عربی تفسیر علمائے متاخرین کی تفسیروں میں سب سے بہتر اور علمائے احناف کے نزدیک سب سے زیادہ معتبر ہے، وہ اپنی اس مبارک تصنیف کے دیباچہ میں سلطان سلیمان کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں :-

من خصه الله تعالى بخلافة الارض	جسکو اللہ تعالی نے زمین کی خلافت کے ساتھ
واصطفاه لسلطنتها فى الطول والعرض	مخصوص کیا اور اسپر اس کے طول و عرض میں سلطنت
مالك الامامة العظمى، والسلطان	کرنے کے لیے چن لیا، امامت عظمیٰ کا مالک اور
الباهر وارث الخلافة الكبرى كابراً	سلطان باجاہ، اور خلافت کبریٰ کا اپنے
عن كابر.... فاصبحت منابر الربع	سلف سے وارث، جس کے مبارک نام سے
المسكون، مشرفة بذكر اسمه الميمون،	ربع مسکون کے منبروں نے شرف پایا ہے
.... سلطان المشرقين وخاقان	سلطان مشرقین، اور خاقان عالم، وہ امام
الخافقين، الامام المقتدر بالقدرة	جس نے خدا کی قدرت سے قدرت پائی ہو
الربانية، والخليفة المعتز بالعزة	اور وہ خلیفہ جس نے خدا کی طاقت سے طاقت
السبحانية المفتخر بخدمة الحرمين	حاصل کی ہو، جس کو حرمین شریفین
الشريفين وحماية المقامين	کی خدمتگزاری اور مقامات مقدسہ
المعظمين المفخمين،	کی نگہبانی سے فخر حاصل ہے،

سلطان سلیمان کی وفات پر مفتی موصوف نے جو پرزور اور پردرد مرثیہ لکھا ہے

اسمیں اسی عقیدت کا اظہار ہے۔

اصوت صاعقۃ ام نفخۃ الصور　　فالارض قد ملئت من نقر ناقور

یہ بجلی کی کڑک ہے یا نفخ صور ہے　　کہ زمین شور و غل سے پر ہے

تقطعت قطعا منہ القلوب فلا　　یکاد یوجد قلب غیر مکسور

اس سے دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہیں　　کوئی دل ایسا نہیں جو شکستہ نہیں

اجفانہم سفن مشحونۃ بدم　　تجری بحر من العبرات مسجور

لوگوں کی آنکھیں خون سے بھری کشتیاں ہیں　　جو آنسوؤں کے پر جوش سمندر میں تیر رہی ہیں

ام ذاک نعی سلیمان الزمان ومن　　مضت اوامرہ فی کل مامور

یا یہ سلیمان زمانہ اور اسکی موت کی خبر ہے　　جس کا حکم ہر حاکم پر جاری تھا

مدار سلطنۃ الدنیا ومرکزھا　　خلیفۃ اللہ فی الآفاق مذکور

دنیا کی سلطنت کا مدار اور مرکز　　خدا کا خلیفہ جسکا نام تمام ملکوں میں لیا جاتا تھا

اس کے بعد مفتی صاحب نے سلطان کے ولیعہد سلطان سلیم کو جانشینی کی تہنیت دی ہے:

سمیدع ماجد زادت مہابتہ　　تخت الخلافۃ فی عز ومنصور

دانشمند بزرگ جسکی ہیبت نے تخت خلافت کی عزت و فتحمندی کو بڑھا دیا ہے

ان علمائے اعلام میں سے جنکی پیدائش کا فخر گو ہندوستان کی خاک کو حاصل ہے، لیکن ان کی تعلیم و تربیت اور درس و افتا کا نخل کمال ارض حرم میں

بار آور ہوا ہے، ایک شیخ محمد بن عمر آصفی گجراتی مشہور بہ حاجی دبیر مکی ہیں جنہوں نے عربی زبان میں سلاطین گجرات کی تاریخ ظفر الوالہ بمظفر وآلہ لکھی ہے اور جسکو گورنمنٹ آف انڈیا نے سنہ ۱۹۱۰ء میں اپنے صرف سے لندن میں چھپوا کر شایع کیا ہے۔ حاجی دبیر مکی سلطان سلیمان کے زمانہ میں موجود تھے ا سنہ ۹۴۶ء کے بعد تک کے واقعات انھوں نے لکھے ہیں، اسی کتاب میں ممدوح کے ذکر میں حاجی صاحب لکھتے ہیں،

... سلطان الروم وکان فی وقتہ	سلطان روم اور وہ اس زمانہ میں سلام
سلطان الاسلام علی الاطلاق و	کا بادشاہ علی الاطلاق اور تمام دنیا میں خلیفۃ اللہ
الخلیفۃ للہ فی سائر الآفاق وھو	تھا اور وہ سلیمان خان بن سلیم
سلیمان خان بن سلیم خان (صفحہ ۳۱۶)	تھا

انھی علما میں جو گو ہندی نژاد ہیں لیکن دنیا ان کو خاک حرم کا فرزند جانتی ہے کہ ان کی تمام تر تعلیم و تربیت مکہ معظمہ میں اور ان کی تمام عمر اسی ارض مقدس میں درس و افتا میں گزری ہے، علامۂ قطب الدین نہروالی[۱] مکی ہیں، سلاطین گجرات کی طرف سے مکہ معظمہ میں جو مدرسہ تھا، یہ اس کے مہتمم و مدرس اول تھے سلطنت گجرات کی تباہی کے بعد سلطان سلیمان نے ائمہ اربعہ کے نام سے چار مدرسے مکہ معظمہ میں قایم کیے، انمیں سے مدرسہ حنفیہ علامۂ نہروالی کے

[۱] نہروان گجرات کا مشہور مقام ہے،

سپرد کیا۔ اسوقت سے سلطان مراد کے زمانہ تک علامہ موصوف اس مدرسہ کی تولیت و تدریس کے عہدہ پر ممتاز رہے، انکی متعدد تصانیف میں سے ایک مکہ معظمہ کی تاریخ ہے جس کا نام "الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام" ہے اس میں جابجا سلاطین عثمانیہ کے نام آتے ہیں اور ہر جگہ علامہ ممدوح نے ان کی اس حیثیت کو نمایاں کیا ہے۔ چنانچہ مقدمہ کتاب میں ایک عمارت کی تقریب سے جہاں سلطان مراد کا ذکر کیا ہے لکھا ہے،

... خداوندگار العالم وسلطانہ	خداوندگار عالم اور سلطان جہان اور وہ امیر
وامیر المومنین الذی جلس علی کرسی	المومنین جس نے تخت خلافت پر جلوس کیا،
الخلافۃ جعل اللہ السلطنۃ والخلافۃ	خدا اس سلطنت اور خلافت کو اسمیں اور اس
کلمۃ باقیۃ فیہ وفی عقبہ (صفحہ ۳)	کی اولاد میں ہمیشہ قایم رکھے،

حرم محترم کی عمارتوں کی تجدید و تعمیر کا کام سلطان سلیم بن سلیمان کے زمانہ سے شروع ہو کر سلطان مراد کے زمانہ میں ختم ہوا، تعمیر کی تکمیل کے بعد اسپر عربی میں ایک بڑا کتبہ لکھایا گیا ہے، جو باب عباس سے لے کر باب علی تک منقوش ہے اس کتبہ کی حسب ذیل عبارتیں قابل غور ہیں :۔

... عبدہ المعتاد باحکام الاحکام	خدا کا وہ بندہ جو احکام شریعت کے استحکام کا
الشریفۃ وتشیید ارکانہا علی وجہ	عادی ہے یعنی سلطان مراد، خدا تعالیٰ خلافت کو اسمیں
المراد ... السلطان المراد جعل اللہ	اور اسکی اولاد میں قیامت تک باقی رکھے ... الٰہی!

الخلافة فیه و فی اعقابه الی یوم التناد — تخت خلافت پر اسکو ہمیشہ قائم رکھ اور آفت سے

... اللھم ادمه فی سریر الخلافة — اسکو محفوظ رکھ اور اسکے جانشینوں کو مسند

محروسًا بحفظك من كل آفة ... — خلافت پر تا قیامت متمکن رکھ ... اس کے

وانل اخلافهم فی مسند الخلافة — بعد خدا نے اس کے فرزند شریف

الی آخر الزمان ... واجلس الله — کو خلافت کے تخت پر

علی سریر الخلافة نجله النجیب، — بٹھایا۔

سنان پاشا نے جب دوبارہ یمن فتح کیا تو علامہ نہروالی نے حسب ذیل قصیدہ فتحیہ لکھا :-

عساکر سلطان الزمان ملیکنا — خلیفة هذا العصر فی البر والبحر

سلطان زمان ہمارے بادشاہ اور اس زمانہ کے خلیفہ بر و بحر کی فوجیں ہیں

له فی سریر الملك اصل موثل — تلقاه عن اسلافه السادة الغر

تخت حکومت میں اس کے لیے مستحکم جڑیں ہیں، جسکو اسنے اپنے بزرگ مشہور اسلاف سے وراثت میں پایا ہے

ملوك تسامو للعلی وخلائف — اولو العزم فی ازمانهم واولو الامر

اسکے یہ اسلاف کچھ بادشاہ تھے جو بلندی پر چڑھے اور کچھ اپنے اپنے زمانہ کے اولو العزم اور اولو الامر خلفاء تھے،

عماد یلوذ المسلمون بظله — وسد منیع للانام من الکفر

یہ ستون ہے جسکے سایہ میں مسلمان پناہ گزین ہیں اور لوگوں کو کفر کے حملوں سے روکنے کے لیے ایک مضبوط دیوار ہے

علاوہ ازیں اس کتاب میں علامہ قطبی نے اور مختلف مقامات میں اس قسم

کے اظہارات کئے ہیں۔ مکہ معظمہ کے مشہور شیخ و مدرس و مفتی، شیخ دحلان محدث ہیں جنکی وفات کو تقریباً پچیس تیس برس کا زمانہ گذرا ہوگا، وہ اپنے زمانہ کے اکثر بلاد اسلامیہ کے محدثین کے شیخ اور سند تھے، ہندوستان کے بھی کثیر علما نے ان سے حدیث کی سند لی ہے، فتوحات اسلامیہ انکی بہترین تصنیف ہے، اس کتاب میں انھوں نے علانیہ سلاطین عثمانیہ کی خلافت کو تسلیم کیا ہے، اور جابجا خلیفہ کے نام سے ان کو یاد کیا ہے، یہ کتاب چھپ گئی ہے اور ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔

مصر کے قاضی القضاۃ سید عبداللہ جمال الدین نے السیاسۃ الشرعیہ کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی ہے اور جزیرہ روڈس کے نقیب الاشراف شیخ عبداللہ نے اسکو شائع کیا ہے، مصر میں چھپی ہے اور ملتی ہے، قاضی صاحب نے اسمیں دو مقامات پر خلافت عثمانیہ کا ذکر کیا ہے ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

الحدیث الشریف "الخلافۃ من بعدی	یہ حدیث کہ "خلافت میرے بعد تیس برس رہیگی"
الثلاثون" یشیر الی ان خلافۃ سادتنا	اس کا یہ مطلب ہے کہ حضرات خلفائے راشدین کی
الخلفاء الراشدین کانت علی وجہ	خلافت کامل تھی، اور خلافت کا اطلاق خلفائے
الکمال، ویجوز اطلاق الخلافۃ علی	راشدین کے علاوہ اور دوسرے ائمہ اسلام پر بھی
غیرھم من ائمۃ المسلمین لان	جائز ہے اسلئے کہ انکی عمومی ریاست آنحضرت صلعم
ریاستھم العامۃ بطریق الخلافۃ	کی جانشینی ہی کے طریق پر ہے جیسے

عن الرسول صلعم کخلافة السلاطین العثمانیین نور اللہ مرقدھم (صفحہ ۱۱)	سلاطین عثمانیہ کی خلافت، خدا ان کی قبروں کو روشن رکھے،

ایک اور مقام پر قاضی صاحب لکھتے ہیں،

والخلافة التی لھا حق الریاسة و علیھا واجب الاجتھاد للحصول علی ھذا المقصد الجلیل ھی الخلافة العثمانیة التی لدولتھا استعداد لذلک واقتدار علیه (۲۰۸)	وہ خلافت جسکو ریاست کا حق ہے اور جسپر اس عظیم الشان مقصد کے حاصل کرنے کے لیے کوشش فرض ہے، وہ خلافت عثمانیہ ہی ہے جس میں اسکی صلاحیت ہے اور جسکو اسپر قدرت ہے،

علامہ دحلان مکی نے فتوحات اسلامیہ میں لکھا ہے کہ مختلف وجوہ ترجیح اور فضایل کے لحاظ سے خلافت راشدہ کے بعد دولت عثمانیہ سے بڑھ کر کوئی سلطنت، عدل وانصاف اور حمایت سنت اور شعائر اسلامیہ کی اقامت میں مقابلہ نہیں کر سکتی۔ علامہ قطبی نہروالی نے یہی حمایت سنت کی فضیلت کا جا بجا اعتراف کیا ہے، امام طحطاوی نے جو متاخرین فقہائے حنفیہ میں ہیں اور درمختار کے محشی ہیں، انھوں نے ایک خاص رسالہ اس باب میں لکھا ہے کہ "دولت عثمانیہ انشاء اللہ ہمیشہ دنیا میں قائم رہیگی، اسلیئے کہ یہ دولت علیہ ملت محمدیہ کی تائید کی کسی کوشش میں کوئی کمی نہیں کرتی ہے اور بہت سے اہل کشف نے امام مہدی کے خروج تک اس کے دوام کی پیشین گوئی کی ہے، اور یہ

خدا سے دعا مانگتا ہوں کہ وہ اس دولت علیہ عثمانیہ کو قیامت تک قائم رکھے"۔[1]

ان فقروں سے اندازہ ہوگا کہ علمائے اکابر کی نظر میں اس دولت عثمانیہ کی کیا عزت و وقعت تھی جن علما کی تحریروں کے اقتباسات اوپر پیش کیے گئے ہیں، انمیں ہندی بھی ہیں، عراقی بھی، مصری بھی ہیں، یمنی بھی، حجازی بھی ہیں، شامی بھی، اس سے جو کچھ تم اندازہ کر سکتے ہو اسکو میں خود اپنے قلم سے لکھ کر اسکی تحدید کرنا نہیں چاہتا۔

علما کے بعد امرا، سلاطین اور عام مسلمانوں کا درجہ ہے۔ سنی" دنیائے اسلام" جن ملکوں سے عبارت ہے، انمیں سے مشرق میں ہندوستان، افغانستان و ترکستان اور مغرب میں مراکش، یہی دو تین ملک تھے جن پر دولت عثمانیہ کی براہ راست حکومت نہ تھی، ان کے علاوہ ایشیا، افریقہ، اور یورپ کے جس قدر حصے دنیائے اسلام کے نقشہ میں داخل ہیں، یہ تمامتر دولت عثمانیہ کے زیر نگیں تھے، مثلاً عرب، عراق، شام، مصر، طرابلس، الجزائر، تونس کردستان، قفقاز، بلاد روم اور یورپین ٹرکی، یورپین روس، شمالی و جنوبی افریقہ وغیرہ ان میں سے ہر جگہ کی مسجدیں خادم الحرمین الشریفین کے اسم گرامی سے گونج رہی تھیں اور اب تک گونج رہی ہیں۔

ہندوستان کے متعلق ایک مستقل مضمون انہیں صفحات میں نکل چکا ہے،

---

[1] نشوۃ الشمول فی السفر الی اسلامبول علامہ آلوسی زادہ، صفحہ ۷۰، مطبوعہ بغداد،

جسمیں دکھایا گیا ہے کہ شیر شاہ، شاہان تیموریہ، سلاطین گجرات و سندھ و امرائے میسور، دکن، بھوپال وغیرہ خلافت عثمانیہ کے کہاں تک معترف تھے، یہاں انکو دہرانا بیکار ہے۔

سلطان سلیمان کے عہد میں بلوچستان کے علاقہ پر ملک جلال الدین بن ملک دینار حکمراں تھا، سید علی امیر البحر جب پرتگال کی جنگ میں اتفاق سے اپنے شکستہ بیڑے کے ساتھ بلوچستان کے ساحل پر پہونچگیا تو اس مقام کے حاکم نے ترکی امیر البحر کے جہاز پر آکر سلطان کی عقیدتمندی اور وفاداری کا اظہار کیا، اور وعدہ کیا کہ اگر آئندہ کبھی سلطانی بیڑہ ادھر آئے گا تو سامان رسد کی پچاس ساٹھ کشتیاں نذر کرنے کے علاوہ اور ہر قسم کی امداد کے لیئے آمادہ رہے گا۔[۱]

تیموریوں کی کمزوری کے بعد جب افغانستان آزاد ہوا، اور اُدھر ایران کی صفوی سلطنت کا چراغ گل ہو رہا تھا تو اس نے فوراً اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا اور شاہ اشرف ابدالی نے طہماسپ صفوی کو شکست دیکر ایران پر قبضہ کرلیا۔ چونکہ یہ سلطنت بالکل نئی پیدا ہوئی تھی، اور ادھر قفقاز سے روس آگے بڑھتا چلا آتا تھا، اور سلطنت عثمانیہ اسکی روک تھام میں مصروف تھی، آخر روس اور ترکی نے باہم یہ مصالحت کی کہ شاہ اشرف خان کو ہٹا دیا جائے اور طہماسپ کو پھر تخت نشین کیا جائے۔ اشرف نے قسطنطنیہ اپنا سفیر بھیجا اور لکھا کہ "ایک مسلمان بادشاہ

[۱] سفرنامہ سید علی امیر البحر صفحہ ۲۳۔

کے خلاف ایک عیسائی بادشاہ سے مصالحت کیونکر جائز ہے، چنانچہ ترک علما نے بھی اسکی تائید کی لیکن وزرا نے یہ عذر پیش کیا کہ سلطان امیر المومنین اور خلیفۃ الرسل ہیں، جو بادشاہ انکا مطیع نہ ہو اور ان کے نام کا خطبہ نہ پڑھتا اور ان کو خراج نہ دیتا ہو وہ دین کا دشمن ہے، اور اس سے جہاد کرنا نصاریٰ کے ساتھ جہاد کرنے سے افضل ہے" اس دلیل کو سن کر علما بھی دم بخود ہو گئے، بہرحال نتیجہ فوج کشی تک پہنچا، اور آخر اسپر صلح ہوگئی کہ سلطان، اشرف خان کو ایران کا بادشاہ تسلیم کرلیں، اور شاہ اشرف ان کو اپنے دل سے خلیفہ تسلیم کرلے[1] گا۔

مسلمانان ملک روس کا تذکرہ بے سود ہے کہ ایک روسی مسلمان مورخ کے بیان کے مطابق وہاں ایک مسلمان کا سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ وہ خلافت عثمانیہ کی طرف ہمدردی کی نظر رکھتا ہے اور اس کے لیئے جاسوس مقرر ہیں۔

مراکش کے متعلق بے شک یہ معلوم ہے کہ جب تک اسمیں طاقت رہی اس نے خلافت عثمانیہ کو تسلیم نہیں کیا کیونکہ اسکو اپنی سیادت، شرف نسب، اور قریشیت کا دعویٰ تھا اور فقہاً مالکی تھا، مگر اب یہ سب موانع اٹھ گئے ہیں۔

سُنّی دنیائے اسلام سے باہر، ایران میں شیعی بھائیوں سے ہماری ملاقات ہوتی ہے، یقیناً ان کو اس مسئلہ سے تعلق نہیں، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ سنی مسلمانوں کے حق میں سلطنت عثمانیہ کے اس دعویٰ کو ہمارے شیعی بھائی

[1] تاریخ الافغان سید جمال الدین افغانی صفحہ ۶۱، مصر۔

قبول کرتے تھے یا نہیں ؟ اور ان کو سنی دنیائے اسلام کا وکیل و لسان الحال یقین کرتے تھے، یا نہیں؟ ایران میں صفویوں اور عرب میں عثمانیوں کا ظہور تقریباً آگے پیچھے ایک ہی عہد میں ہوا ہے، اور کبھی کبھی ان دونوں سلطنتوں میں مذہبی تعصب اور سیاسی نزاع کے باعث افسوسناک خونریزیاں بھی ہوئی ہیں، تاہم کبھی کبھی ان میں دوستانہ مراسلات جاری رہے ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے شیعی بھائی کہاں تک سلاطین عثمانیہ کے اس دعوی کو تسلیم کرتے تھے۔ ایران کے مشہور منشی مرزا طاہر وحید جو ایران کے شاہی میر منشی تھے، ان کے منشآت چھپ گئے ہیں، ان میں بعض سرکاری مراسلات موجود ہیں، فیاض القوانین جس کا اس سے پہلے بھی حوالہ دیا جا چکا ہے، اسمیں بھی اس قسم کے مراسلات درج ہیں، ان مراسلات پر ایک نظر ڈالنے سے یہ راز منکشف ہو جاتا ہے کہ شاہان صفوی تک سلاطین عثمانیہ کے اس دعوی کو تسلیم کرتے تھے۔

نامۂ شاہ عباس صفوی بنام سلطان مراد بن سلیم

آداب و القاب تین صفحوں میں ہیں، منجملہ ان کے یہ سطریں ہیں :۔

منظور انظار عنایت حضرت پروردگار، مروّج دین متین حضرت مختار ..... دار کارخانہ تو تی الملک من تشاء تاج سو فور الابتہاج انا جعلناک خلیفۃ فی الارض برفرق

اللہ تعالیٰ نے جسکو نگاہ عنایت سے دیکھا، رسول مختار کے دین متین کو رواج دینے والا اور جس کے سر پر تو تی الملک من تشاء کے کارخانہ سے " ہم نے تجھ کو زمین میں خلیفہ بنایا

آن خداوند کا رجہاں نہادہ ۔۔۔۔۔ ناصب رایات العدل والاحسان، باسط الامن والامان، ظل اللہ فی الارضین، قہرمان الماء والطین، سلطان البرین والبحرین، حافظ المشرقین والمغربین، خادم الحرمین الشریفین،

کا مسرت بخش تاج رکھا گیا، عدل واحسان کا علم برپا کرنے والا، امن وامان کو پھیلانیوالا، زمین میں خدا کا سایہ، آب وخاک (بر وبحر) کا بادشاہ سلطان البرین والبحرین حافظ المشرقین والمغربین، خادم الحرمین الشریفین،

نقل سواد نامۂ شاہ ایران بخوندکار روم سلطان سلیمان بن سلیم

سلطان الغزاۃ والمجاہدین مرصص قواعد الملک والدین، حامی حوزۃ الاسلام وکہف المسلمین ملاذ اعاظم السلاطین کفیل مصالح الاسلام والمسلمین ناصب اعلام الفتح والظفر، حارس مبانی الاسلام عن شوائب الخوف والخطر۔۔۔ سلطان البرین وخاقان البحرین، خادم الحرمین الشریفین۔ عونا لقاطبۃ الاسلام والمسلمین، سلطان سلیمان شاہ بن سلطان سلیم خان لازالت عتبتہ العلیہ بین الکفر والاسلام حداً وسدہتہ السنیہ لحمایتہ جمہور المسلمین سداً۔

غازیوں اور مجاہدوں کا سلطان، ملک ودین کی بنیادوں کا بانی، دائرۂ اسلام کا حامی، مسلمانوں کا ماوی وملجا، بڑے بڑے بادشاہوں کا مامن وملجا، اسلام اور مسلمانوں کے مصالح کا ذمہ دار، فتح وظفر کے علم کا کھڑا کرنے والا، اسلام کی عمارت کو خوف وخطر سے بچانے والا، سلطان البرین وخاقان البحرین خادم الحرمین الشریفین۔۔۔ اسلام اور تمام مسلمانوں کا مددگار، سلطان سلیمان شاہ بن سلطان سلیم خان، اسکا آستانۂ بلند ہمیشہ کفر واسلام کی حد ہو اور اسکی بارگاہ عالی جمہور اسلام کی حمایت کی دیوار رہو،

نقل سواد شاہ طہماسپ بسلطان محمد

حافظ ثغور المسلمین، رافع الرایۃ الاسلام بالفتح
المبین، قاتل الکفرۃ والمشرکین، قامع الظلمۃ
والمفسدین حامی حوزۃ المسلمین من غلبۃ المشرکین
سلطان الغزاۃ والمجاہدین، قاتل الکفار و
المعاندین، قامع شعائر الشرک عن اقطار الارضین
ماحی آثار الکفر عن العالمین... مفیض ذوارف
العوارف علی قاطبۃ اہل الاسلام والایمان،
سلطان البرین وقہرمان البحرین سمّی نبی
الثقلین، خادم الحرمین الشریفین، مؤید
بالسلطنۃ والخلافۃ والعظمۃ ......

مسلمانوں کی سرحدوں کا محافظ، اسلام کے علم کو
فتح وظفر کے ساتھ بلند کرنیوالا، کافروں اور مشرکوں
کو قتل کرنے والا، ظالموں اور مفسدوں کی بیخکنی
کرنے والا، کفر کے غلبہ سے مسلمانوں کے ملک کو
بچانے والا، شرک کے رسوم کو تمام روئے زمین سے
مٹانے والا، اور کفر کے علامات کو تمام دنیا سے محو
کرنیوالا... جمہور اہل اسلام پر احسانات کا سیلاب
بہانیوالا، سلطان البرین وقہرمان البحرین پیغمبر
انس وجان کا ہمنام (محمد) خادم الحرمین الشریفین،
سلطنت، خلافت اور عظمت سے اسکی تائید کی گئی،

بسلطان محمد

...حارس ثغور المسلمین، حاوی حوزۃ الاسلام،
ماحی آثار الکفر والظلام .....

مسلمانوں کی سرحدوں کا محافظ دائرہ اسلام کا
محیط، کفر اور تاریکی کا مٹانے والا،

کہ شد آخر معابد اصنام   از تو ہر جا مساجد اسلام   تیری ذات سے ہر جگہ   بتخانے خدا کے گھر ہوگئے

سلطان البرین وخاقان البحرین سمّی نبی
الثقلین، خادم الحرمین الشریفین ،

سلطان البرین وخاقان البحرین، نبی انس و
جان کا ہمنام خادم الحرمین الشریفین،

دیگر

مؤسس مبانی السلطنۃ العظمیٰ مرصص قواعد — سلطنت عظمیٰ کی عمارت کا بانی، خلافت کبریٰ کی

الخلافۃ الکبریٰ، حارس حوزۃ الاسلام والدین — بنیادوں کا مستحکم کرنے والا، اسلام اور دین کا محافظ

حافظ ثغور المسلمین قاتل الکفرۃ والمشرکین۔ — مسلمانوں کی سرحدوں کا نگہبان، کافروں مشرکوں کا قتل کرنیوالا،

اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز سلطنت صفویہ کی بربادی کے بعد کا واقعہ ہے۔ نادر شاہ نے جب ملک ایران کو افغانوں سے پاک کیا تو تمام ایران نے اس سے درخواست کی کہ وہ اب تاج خسروی اپنے سر پر رکھے، اس نے بہت ہی لیت ولعل کے بعد جس شرط کے ساتھ ان کی اس درخواست کو قبول کیا، وہ آج بھی ہمارے شیعی بھائیوں کے سننے کے لائق ہے۔ اس نے ایران کے اعیان واکابر کا ایک دربار کیا، اور ان کے سامنے ایک تقریر کی، جسمیں اس نے کہا کہ "آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد چار خلفائے راشدین ہوئے، جنکی خلافت پر تمام ہندو روم وترکستان متفق ہے، ایران میں بھی پہلے یہی مذہب تھا لیکن شاہ اسمٰعیل صفوی نے ابتداءً مصلحت ملکی کے باعث اس مذہب کو چھوڑکر یہ مذہب اختیار کیا، اور عوام میں سب وشتم صحابہ نے رواج پایا، اگر اہل ایران میری بادشاہی کے خواہاں ہیں تو ان کو چاہیئے کہ اس مسلک کو چھوڑ دیں اور چونکہ فقہ کے فروع میں امام محمد جعفر بھی امام مجتہد تھے، اسلیئے فروع فقہیہ میں فقہ جعفری کی تقلید کریں۔" سب نے اسکو تسلیم کیا اور ایک محضر لکھکر بادشاہ

کے ہاتھوں میں دیا۔ نادر شاہ نے اس کے بعد جو تقریر کی وہ آج بھی ہر
سنی اور شیعی کے لئے آئینہ عبرت ہے اس نے کہا کہ "چونکہ بادشاہ روم، خادم
حرمین شریفین ہیں، اور ہمارے ساتھ دوستی رکھتے ہیں، اور اب یہ معاہدہ
جو تم نے کیا ہے ہمکو چاہیئے کہ بادشاہ والاجاہ روم کو ایلچی بھیجکر پانچ
باتوں پر ان سے صلح کرلیں تاکہ امت محمدیہ کے درمیان سے یہ اختلاف و نزاع
دور ہو جائے اور اس کے بعد سے ایران و روم میں کوئی مخالفت باقی نہ رہے"
وہ پانچ باتیں جن پر نادر شاہ نے سنی دنیائے اسلام سے صلح کرنا چاہی،
حسب ذیل تھیں:-

مذہب جعفری کو مذاہب اربعہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کی طرح ایک
پانچواں مذہب مانا جائے،

مکہ معظمہ میں چار مصلاؤں کی طرح پانچواں مصلیٰ جعفری مذہب کا قائم
کیا جائے،

ہر سال ایران سے ایک امیر الحاج مقرر ہو، جس کا اعزاز دولت عثمانیہ اسی
طرح کرے جس طرح مصر و شام کے امرائے حج کا ہوتا ہے،

دونوں سلطنتیں ایک دوسرے کے قیدیوں کو آزاد کردیں۔ آئندہ انکی
بیع و فروخت جائز نہ ہو،

اور آئندہ دونوں سلطنتوں کے سفیر ایک دوسرے کے

پایہ تخت میں ہو[1]،

دیکھو! ایران سنّی دنیائے اسلام سے صلح چاہتا ہے، مگر اس صلح کا پیغام کس کو بھیجتا ہے اور تمام سلاطین اسلام میں سنی دنیائے اسلام کا وکیل و سفیر وہ کس کو جانتا ہے؟ +

[1] تاریخ نادری، مصنفہ محمد مہدی استرابادی، صفحہ ۱۳۰ بمبئی ،

یہ مسئلہ یورپین پالیٹیکس کا مرکز بننے سے پیشتر مسیحی دنیا کی تمام قوموں میں ایک مسلم واقعہ کی طرح تسلیم شدہ تھا۔ تحریری شہادتوں میں مسیحی دنیا کے اعتراف کی سب سے پہلی مثال، جدید یورپ کی سب سے پہلی ترقی یافتہ قوم پرتگیزیوں کے ایک سفیر متعین ہندوستان کی زبان سے ملتی ہے۔ ترکی امیر البحر سید علی جب احمد آباد گجرات میں عماد الملک وزیر کے دولت کدہ میں داخل ہوتا ہے تو اسکی اتفاقی ملاقات پرتگال کے سفیر سے ہوتی ہے، سفیر مذکور کہتا ہے۔

ہمیں سلطان روم کی بہت ضرورت رہتی ہے ہمارے ملک کے جہاز اُن کی سلطنت کے بندرگاہوں میں بے روک ٹوک جاتے ہیں اگر ہمیں اسکی اجازت نہ ہو تو ہمارا بہت برا حال ہو علاوہ اس کے سلطان روم، اسلامی دنیا کے بادشاہ ہیں[1]

یہ سلطان سلیمان اعظم کا زمانہ تھا۔ اسی زمانہ میں سلطنت عثمانیہ اور فرانس کے درمیان سب سے پہلا رعایتی عہدنامہ مرتب ہوا جواب "کیپی چولیشن" کے خوفناک نام سے مشہور ہے۔ اور جو ٹرکی کے گلے کا پھندا بن گیا ہے اس عہدنامہ میں بھی سلطان کی حیثیت خلیفہ کی نظر آتی ہے

یورپین علوم و مسائل کے سب سے بڑے بحر زخار اور دریائے

---

[1] سفرنامہ سید علی امیر البحر ترجمہ اردو صفحہ ۳۳

ناپید اکنار کا نام انسائیکلوپیڈیا ہے، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا نام لینا استناد اور اعتبار کے لئے شاید کافی ہو، سلطان سلیم کے تذکرہ میں یورپ کا یہ مستند ترین ذخیرۂ علمی حسب ذیل شہادت بہم پہنچاتا ہے۔

اسکے بعد شام اور مصر اوسکے (سلطان سلیم کے) قبضہ میں آگئے وہ تمام اسلامی مقامات مقدسہ کا مالک ہوگیا، اور سب سے زیادہ اہم یہ کہ اوسنے آخری خلیفہ عباسیہ سے کہا کہ وہ خطاب خلافت اور اسکے ظاہری لوازم مثلاً علم مقدس، اور شمشیر و زرہ نبوی اسکے حوالہ کردے اسکی وجہ سے سلاطین عثمانیہ نے جو عظمت حاصل کی وہ یہ تھی کہ وہ تمام عالم اسلامی میں معزز ترین ہوگئے اور آج بھی وہ وہی اہمیت رکھتے ہیں، اور جس نے خلافت کی اس شرط کو کہ خلیفہ قریشی ہو نسیاً منسیاً کر دیا ہے[1]۔

یورپین فن تاریخ کا سب سے بڑا اور معتبر ذخیرہ "مورخین کی تاریخ عالم" ہے جس کا ذکر اس سلسلہ مضمون میں کئی دفعہ آچکا ہے۔ اس کتاب کے مصنفین نے متعدد مقامات پر اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

"سلیم اب فی الواقع "محافظ مقامات مقدسہ" بنگیا، اس نے قاہرہ میں ایک بیچارہ بیوقوف شخص کا پتہ پایا جو مستنصر بالسر (؟) کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، طبع یازدہم۔ جلد ۲۴ صفحہ ۶۰۶

جس کا وصف امتیازی صرف اسقدر تھا کہ وہ عباسی خلفا کی دوسری شاخ کا اٹھارہواں خلیفہ تھا۔ سلیم نے اسپر ہاتھ ڈالا اور اسکو اس وقت تک آزادی نہ دی جبتک اس نے خلافت کے تمام حقوق سے دست برداری نہ لکھدی۔ اس کے معاوضہ میں سلیم نے اوسکو کچھ زر نقد اور ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا۔ سلیم نے تب اپنے القاب میں اس لقب (خلافت) کا بھی اضافہ کر لیا مگر اب خلیفہ ایک بوڑھا مسکین شیخ نہیں رہا تھا بلکہ اب وہ ایک بہت بڑی طاقتور فوج کا مالک تھا۔ جو اسلام نے اپنے قبضہ میں کبھی رکھی تھی، اس دن سے اسلام اپنا صرف ایک سردار رکھتا ہے جس کے اقتدار کے ماتحت تمام سیاسی اور مذہبی امور ہیں۔ یہ سردار قسطنطنیہ کا سلطان ہے[۱]"۔

دوسری جگہ اس کتاب میں ہے۔

"مصر کے الحاق کے بعد سلیم نے خلیفہ کا لقب اختیار کیا جسکو اب تک مصر کے بادشاہ اختیار کئے ہوئے تھے[۲]"۔

پروفیسر میکس مولر مشرقیات کے بہت بڑے ماہر سمجھے جاتے ہیں، انہوں نے اور ان کی بیوی نے آج سے ربع صدی پیشتر ٹرکی کا سفر کیا تھا

[۱] ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ جلد ۲۴ صفحہ ۳۴۵ و ۳۴۶۔ [۲] کتاب مذکور جلد ۲۴ صفحہ ۳۳۲۔

اور ان دونوں نے مل کر "سیاحت قسطنطنیہ" کے نام سے ایک سفر نامہ ترتیب دیا تھا۔ اس سفرنامہ[1] میں دو مقام پر خلافت عثمانیہ کا تذکرہ ہے۔ حرم وخزانہ کی سیر کے تذکرہ میں ہے :-

"خزانہ سے باہر نکلنے پر ایک متصل چھوٹی مسجد کی طرف اشارہ کیا گیا کہ اسمیں پیغمبر اسلام کی عبا۔ علم۔ عصا۔ تیغ اور کمان محفوظ ہیں سلطان جلوس کے ساتھ سال میں ایک دفعہ رمضان میں اسکی زیارت کرتے ہیں۔ سلطان کو عبائے نبوی پہنائی جاتی ہے۔ اگر یہ علم نکالا جائے تو اس کے نیچے دنیا کے تمام مسلمانوں کا جمع ہونا فرض سمجھا جاتا ہے۔ صرف سلطان بحیثیت خلیفہ اور بادشاہ ہونیکے اسکو کھول سکتے ہیں[2]"

رسم سلاملق کا سماں کھینچتے ہوئے یہ منظر انکو نظر آتا ہے :-

"علما، مشائخ اور مفتی سب کی نگاہیں سلطان کی طرف لگی ہوئی تھیں جن کی وہ بحیثیت خلیفہ یا جانشین نبی عزت کرتے ہیں[3]"

سنہ ۱۸۸۲ء میں یعنی آج سے چالیس برس پیشتر مسٹر ولفرڈ بلنٹ نے سب سے پہلے سلاطین عثمانیہ کی خلافت کی اہمیت کے مسئلہ پر توجہ مبذول کی۔ اور انہوں نے عربوں کے دوست بنکر ان میں عرب قومیت کا احساس وجذبہ

---

[1] اسکا اردو ترجمہ دار المصنفین میں ملیگا۔ [2] سیاحت قسطنطنیہ ترجمہ اردو صفحہ ۳۶۔ [3] سیاحت قسطنطنیہ ترجمہ اردو صفحہ ۴۶،

پیدا کیا اور ان کو یہ بتایا کہ خلافت ان کا قومی حق ہے اور اس حق کو وہ ترکوں سے واپس لے سکتے ہیں۔ مسٹر بلنٹ کی مشہور کتاب فیوچر آف اسلام ہے جسکا ترجمہ سید اکبر حسین الہ آبادی نے ۱۸۸۲ء میں مستقبل اسلام کے نام سے کیا ہے، یہ پوری کتاب مسئلہ خلافت پر یورپین نقطۂ نظر کی کماحقہ تفسیر اور توضیح ہے۔ بلنٹ صاحب ترکوں کی مخالفت اور عداوت کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہ کر سکے کہ خلافت عثمانیہ آج دنیائے اسلام کا ایک مسلم واقعہ ہے۔ اون کے اقتباسات ہمارے مطلب کے اس کثرت سے ہیں کہ انکو یہاں نقل کرنا دشواری سے خالی نہیں۔ یہاں صرف ایک دو حوالے نقل کئے جاتے ہیں:

"غیر ممالک کے اجنبی مسلمانوں میں بھی سلطان کی حیثیت ابتدا ہی سے بہ نسبت دنیاوی بادشاہ کے زیادہ تر بطور حاکم مذہبی کے رہی۔ اور سفیران یورپ کے ساتھ سلطان نے اپنی یہ حالت (یعنی حکومت مذہبی) برابر اور مستقل طور پر اور نہایت اثر کے ساتھ قائم رکھی" (صفحہ ۶۱)

"تیونس کو بالخصوص اس بات پر ناز تھا کہ ہم تخت ترکی کی حکومت سے آزاد ہیں اور سواحل افریقہ کے حنفی فرمانرواؤں کے علاوہ اور سب لوگ ترکوں کی طرف سے لڑنے کو لغو سمجھتے تھے۔ لیکن اب خود مالکی لوگ جو قیروان میں مقدس ہیں سلطان عبدالحمید کے اشاروں پر

حرکت کرتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مصر میں یہی سلطان کسی
قدر کامیابی کے ساتھ تحریک کر رہے ہیں اور ہندوستان کے
مسلمان تو علانیہ مساجد میں ان کے لئے دعا مانگتے ہیں۔ ہر جگہ وہ
فریق جو اسلام کی دوبارہ ترقی چاہتا ہے۔ مسلح کھڑا ہے اور
اس ارمنی خلیفہ کو جو ان کی مرضی کے موافق کام کر رہا ہے۔ اور
یورپ کو حقیر جانتا ہے اور بشرط ضرورت اسیر تیار معلوم ہوتا ہے
کہ کسی دن اس (یورپ) کے ساتھ ان لوگوں کا پیشوا بنکر علم جہاد بلند
کرے جو ان کو پیشوا تسلیم کر چکے ہیں"۔ (۶۳)

"یہ حالات جو میں نے بیان کئے علما میں اس درجہ تسلیم کر لئے گئے
ہیں کہ سال گذشتہ میں قریب قریب بلا اختلاف جمہور کی یہ رائے
پائی کہ سلطان عبدالحمید خاں خاندان عثمانیہ کے آخری خلیفہ ہیں"۔(۶۴)

روسی مسلمانوں کی حالت اور کیفیت اور ان میں اسلام کی
زندگی کی بقا و فنا کا فیصلہ کرتے ہوئے مسٹر بلنٹ لکھتے ہیں،

"ترکستان، سائبیریا ..... اور اُن ملکوں میں جو پہلے سلطنت عثمانیہ
میں شامل تھے اور اب روس کے ماتحت ہو گئے ہیں جس چیز نے
مسلمانان اہل سنت و جماعت کو اپنے مذہب پر قائم رکھا ہے وہ
اُن کا یہ علم و خیال ہے کہ ہنوز روسیوں کی سرحد پر خود ہمارے

ہم مذہب لوگوں کی ایک بڑی جنگ آور جماعت موجود ہے اور خود اُن کا مُسلمہ روحانی اور مذہبی پیشوا اُن پر حکمران ہے، اُنکے مذہبی فخر کا مرکز قسطنطنیہ ہے جہاں سُلطان اور خلیفہ باسفورس کے کنارہ تختِ سلطنت پر بیٹھا ہوا یورپ اور ایشیا دو دنیاؤں پر حکمران ہے"۔ (صفحہ ۱۳۳)

مشرق اور خصوصاً اسلامی مشرق کی حالت سے ذاتی واقفیت علمائے یورپ میں پروفیسر ویمبری سے زیادہ کسی اور کی نہ ہوگی۔ پروفیسر موصوف اپنی کتاب مستقبل اسلام میں ایک جگہ لکھتے ہیں:-

"سلاملق کے دن قسطنطنیہ میں زائرین دنیا، سلطان کے لئے جو اظہار ارادت و عقیدت کرتے ہیں اُسکا سبب یہی ہے کہ وہ خلیفہ اسلام مانے جاتے ہیں"۔ (ترجمہ اردو صفحہ ۱۳۴)

"یہ صحیح ہے کہ وسط ایشیا اور افغانستان کے امیر ہمیشہ اپنی مساجد کے دروازوں پر سُلطان کے مطلا فرمان آویزاں رکھتے ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ اُن کو تاج پہنانے کا اختیار خلیفۃ المسلمین کی جانب سے حاصل ہے، اور وسط ایشیا کے بعض خان سُلطانی خطابات اور خلعتوں کو نہایت شکرگزاری کے ساتھ قبول کرتے ہیں" (صفحہ ۱۳۶)

مارکوئس آف ویلیسلی گورنر جنرل و ویسرائے ہند اور سُلطان میسور کے

درمیان سلطان ٹرکی کے فرمان کی نسبت خط و کتابت کا تذکرہ اس سلسلہ مضامین میں کئی دفعہ آچکا ہے، آج پھر ایک دفعہ اُس کے چند فقروں کو دُہرانا ہے، مارکوئیس آف ولیسلی اپنے خط میں فرمان سلطان کا حوالہ دیکر سلطان میسور کو فرانسیسیوں سے قطع تعلق اور انگریزوں سے موالات کی جانب ان الفاظ میں متوجہ کرتے ہیں

"وہ (سلطان ٹیپو) تمام مذاہب کے دشمن اور خلیفۂ اسلام پر حملہ آور ہونے والے فرانسیسیوں سے ہر قسم کے تعلق کو منقطع کر کے اپنا جوش اسلامی دکھائے اور میں اُمید کرتا ہوں کہ جب وہ (سلطان ٹرکی کے) اِس خط کو پڑھے گا تو بلا شبہ اِس نتیجہ پر پہونچے گا کہ فرانسیسیوں نے مسلمانوں کے مسلم خلیفہ کی توہین کی ہے،"

سابق سفیر برطانیہ مسٹر لیبرڈ، متعین قسطنطنیہ نے اپنے مراسلۂ سرکاری مورخہ ۱۹۔جون ۱۸۷۷ء میں انگلستان کی وزارت خارجیہ کو حسب ذیل الفاظ میں متنبہ کیا تھا۔

"سلطان گھٹکر خواہ ایشیا کے پانچویں درجہ کے حکمران کی حیثیت کا کیوں نہ رہجائے مگر پھر بھی وہ خلیفۂ اسلام برابر باقی رہیگا۔ اور یہ بہت ممکن ہے کہ اسلامی دُنیا اپنے وجود کو قایم رکھنے کی آخری جنگ میں انگلستان کو ان خطرات اور مصائب کا جو اُسکو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے

ہیں اصلی محرک اور باعث سمجھکر انگلستان ہی پر پل پڑے ،
جنگ ٹرکی و اٹلی جس کا مشہور نام جنگ طرابلس ہے، مسٹر بار کلے نے
انگریزی میں اُسکی تاریخ لکھی جو ابھی حال میں شائع ہوئی ہے، کتاب مذکور میں
صلح کے وہ دفعات اور شرائط بھی شروع میں لکھدئے ہیں، جن پر ٹرکی اور
اٹلی نے دستخط کئے ہیں، منجملہ دیگر دفعات کے ایک دفعہ یہ بھی ہے۔

"طرابلس کے مسلمان مذہبی حیثیت سے سلطان کے تابع، اور وہ خلافت
عثمانیہ کے ماتحت رہیں گے، اور جمعہ و عیدین میں وہاں کی مسجدوں میں
سلطان کا نام لیا جائیگا۔"

سر اڈورڈ کریسی، ایک انگریز نے ترکان عثمانیہ کی ایک تاریخ لکھی ہے
جس کا نام "ہسٹری آف اوٹومن ٹرکس" ہے، اُسمیں سلیم کے واقعۂ خلافت کا
ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

"جب سلیم نے مصر فتح کیا تو وہاں عباسی نسل کا خلیفہ فرمانروا تھا،
سلیم نے اُسکو اسپر آمادہ کیا کہ وہ خلافت کو باضابطہ سلیم اور اُسکی نسل
کی جانب منتقل کر دے، ساتھ ہی سلیم نے خلافت کے آثار ظاہری
بھی جنکے حامل عباسیہ چلے آتے تھے، اپنے قبضہ میں کر لیے یعنی علم
مقدس، و شمشیر و ردائے پیغمبر"

سر تھیوڈ ماریسن (سابق پرنسپل مدرسۃ العلوم علی گڈھ) ان اہل علم انگریزوں

میں ہیں جو مسلمانانِ ہند کے خیالات و حالات سے کماحقہ واقف ہیں، انہوں نے ہندوستان کے اکابر اسلام کی صحبت اٹھائی ہے۔ وہ ہندوستان کے عظیم الشان دور میں مصلحین اسلام کی انجمن کے ایک اعزازی رکن تھے، وہ مسئلہ خلافتِ عثمانیہ پر ٹائمز میں حسب ذیل خیالات ظاہر کرتے ہیں:۔

"اہلِ یورپ کو سب سے پہلی بات یہ ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ مسلمانان عالم کو ترکی کے ساتھ دلی محبت ہے اور سلطان ترکی کے دُنیاوی اقتدار کے خاتمہ کا خیال ہی اُنہیں برہم کر دیتا ہے، اس موقع پر ہمارا یہ کہنا اُن سے بالکل عبث ہے کہ اُنہیں سلطان کو خلیفہ نہ تسلیم کرنا چاہیئے، چاہیئے یا نہ چاہیئے، بہر حال واقعہ یہ ہے کہ وہ تسلیم کرتے ہیں، وہ خوب جانتے ہیں کہ خلافت عباسیہ کے ہاتھ سے نکلکر آلِ عثمان تک کیونکر پہنچی ہے، لیکن اس راز کے محرم ہونے کے بعد بھی وہ اپنے خیال میں بالکل پختہ و غیر متزلزل ہیں۔ بے شبہ ہم اسپر تاسف کر سکتے ہیں کہ مسلمانوں کے یہ عقائد کیوں ہیں، مگر اس واقعہ سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ہیں یہی عقائد"

نامور مستشرق پروفیسر براؤن جن سے بڑا مشرق و مشرقیات اور تاریخ اسلام کا عالم آج انگلستان بھر میں کوئی نہیں، انہوں نے اس بحث پر ٹائمز میں جو مضمون لکھا تھا اس کے بعض اقتباسات یہ ہیں:۔

"مجھے ہمیشہ اس امر پر سخت حیرت رہی ہے کہ جو لوگ محمدؐ کی رسالت کے منکر ہیں وہ کیوں اس بحث میں اپنا اس قدر وقت اور دماغ صرف کرتے رہتے ہیں کہ خلافت یا نیابت کا حقدار کون ہے ؟ یہ بالکل ایسی ہی مہمل بات ہے کہ جیسے مسلمان اس فیصلہ کے درپے ہو جائیں کہ مسیحیوں کے پوپ یا "حامیِ ملت" کے لقب کا حق کسکو ہے۔ سلاطین آل عثمان منصب خلافت کے کچھ آج مدعی نہیں ہوئے ہیں بلکہ اگر سلطان سلیم نہیں تو اُسکے فرزند سلطان سلیمان اعظم کے زمانہ سے تو اُن کا یہ دعویٰ بہر حال چلا آتا ہے چنانچہ سلیمان کی وفات پر مفتی ابو السعود نے عربی زبان میں جو مرثیہ کہا تھا اُسمیں تصریحاً اُسے خلیفتہ اللہ کے لقب سے یاد کیا گیا۔ مزید شہادت فریدوں بے کے مرتب کردہ سرکاری کاغذات سے بہم پہنچ سکتی ہے۔"[1]

انگلستان میں ایک بزرگ ایسے ہیں جنکو اس حقیقت سے انکار ہے اور وہ مشہور متعصب اسلام پروفیسر مارگولیتھ ہیں، وقد خلافت اور پروفیسر موصوف کے درمیان اس مسئلہ پر لندن کے اخبار ا ویزرور میں مناظرہ چھڑ گیا تھا، اسمیں بطور ثالث کے ایک فاضل آرتھر ایچ ریڈنگ نے جو بعض ممالک اسلامیہ میں مدتوں تک جج رہ چکے ہیں، ایک مضمون اُسی اخبار میں (بتاریخ ۲۸۔ مارچ ۱۹۲۰ء)

---

[1] ہر سہ پچھلے اقتباسات کے لئے دیکھو معارف اگست ۱۹۱۹ء،

شائع کرایا تھا جس میں وہ لکھتے ہیں۔

"میں بخوشی اسکے لئے آمادہ نہیں ہوں کہ پروفیسر مارگولیتھ جیسے فاضل مستشرق سے اختلاف آرا کروں، مگر بحیثیت ایک قدیم عہدہ دار کے جس نے اپنی زندگی کے بہترین بیس برس اسلامی ملکوں میں گذارے ہیں اور ایک جج کی حیثیت سے جس نے قانون اسلامی کا نظم و نفاذ کیا ہو، یعنے فقہ شافعی، میں سلطان کے دعوائے خلافت کو تمام تر منصفانہ نہیں سمجھتا۔ سلطان کا یہ دعوےٰ کہ وہ پیغمبر اسلام کے جانشین ہیں اور پوپ کا یہ دعوےٰ کہ وہ سینٹ پیٹر کا جانشین ہے، برابر درجہ کا بحث طلب ہے، گو کچھ لوگ اسکے موید بھی ہیں مگر بہت سے اس کے خلاف بھی ہوں گے، مثلاً میں کہہ سکتا ہوں کہ شیعہ حضرت علی اور اُن کے خاندان کے سوا تمام خلفا کے منکر ہیں، اور مراکش کے مالکی اپنا خود ایک اور لیسی خلیفہ رکھتے ہیں، اور ظاہر ہے مثلاً نجد کے وہابیہ اور شمالی افریقہ کے سنوسیہ اور عمان و زنجبار کے خوارج ہر مقامی اسلامی حکومت کے خود مختار فرمانروا کو امام تسلیم کرتے ہیں، لیکن یہ (یعنی خلافت عثمانیہ) تمام عثمانی ترکوں میں، تمام سُنّی حنفی عربوں میں، اور اکثر شافعی، مالکی اور حنبلی عربوں میں، ترکی کے قدیم دائرہ سلطنت میں اور روس کے سُنّی مسلمانوں میں چین اور تاتارستان میں اور ایشیائے

وسطی کے خانوں میں، جہاں سے مغل فاتح حنفی فقہ کو اپنے ساتھ
ہندوستان لے گئے۔ وہاں بھی اسی طرح جاوا میں اور جنوبی افریقی
ملایا میں لوگ اسکو تسلیم کرتے ہیں، گو آخری نقطہ کے متعلق میرا علم
تیقن نہیں ہے۔"

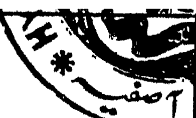
ان اعتراضات کے علاوہ یورپ کے عام اخبارات و رسائل کے
اقتباسات کا بڑا ذخیرہ ابھی موجود ہے، لیکن صرف اس لئے اُن کو قلم انداز
کیا جاتا ہے کہ مستند فضلائے مشرقیات میں اُنکا شمار نہیں،

غیر اسلامی خطہ ہائے عالم میں چین کی اہمیت بھی کچھ کم نہیں ہے جہاں
تین کرور مسلمان آباد ہیں، اُن کے موجودہ عقیدہ کی نسبت ابھی مسٹر ریڈنگ کا
بیان تم سُن چکے، مگر تم کو یہ معلوم کرکے تعجب ہوگا کہ یہ آج کی پیداوار نہیں بلکہ
آج سے سینکڑوں برس پہلے سُلطان سُلیمان اعظم ہی کے عہد میں خلافت عثمانیہ
کا دائرۂ عقیدت مشرق اقصیٰ کی مسافت کو طے کر چکا تھا۔ سید علی امیر البحر، ہمایوں کے
دربار میں چینی مسافروں کی زبانی روایت کرتا ہے:۔

جب ترک مُسلمان سوداگروں نے چین میں عید کے روز سُلطان کا نام
خطبہ میں پڑھوانا چاہا تو اُنہوں نے خاقان چین سے کہا کہ ہمارا سلطان
مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، اور قبلہ کا بادشاہ ہے، لہذا اُس کا نام عید کی نماز
میں شامل کرنے کی اجازت دی جائے، گو خاقان چین ایک غیر مذہب کا

آدمی ہے تاہم اُس نے مسلمانوں کی درخواست کو جائز سمجھکر قبول کیا،
بلکہ یہاں تک کیا کہ خطیب کو خلعت فاخرہ پہناکر اور ہاتھی پر سوار کر کے
شہر سے گذارا، اُس وقت سے سلطان کا نام عید کی نمازوں میں برابر
چلا آتا ہے“، (صفحہ ۴۶)

ان تاریخی تصریحات اور اعترافات کے بعد بھی اگر کسی کو اس مسئلہ میں شک
رہ جائے۔ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ،



دارالاشاعت سیاسیات مشرقیہ

دنیا سے اسلامی قوت کا خرخشہ مٹا دینے کے لئے یورپ کے مدبر آج سے نہیں گذشتہ صدی کی ابتدا سے متفقہ کوششیں کر رہے ہیں، ایشیا افریقہ اور یورپ میں جسقدر سلطنتیں اور ریاستیں تھیں ایک ایک کرکے وہ سبکو پامال کر چکے اب لے دے کے ہندوستان کے شمال میں ایک پہاڑی سلطنت کیسپین اور خلیج فارس کے درمیان ایک کمزور سی حکومت اور ایشیائے کوچک میں دشمنوں سے گھری ہوئی ایک اسلامی قوت موجود ہے۔ سو ان کا انجام بھی اب امید و بیم کے درمیان ہے۔

مسلمانوں کی عظیم الشان قوت کا یہ حشر اس سیاست کی بدولت ہوا ہے جو مشرق کے متعلق یورپ نے اختیار کی ہے۔ مگر اس سے زیادہ ہماری بدبختی اور کیا ہو سکتی ہے کہ ہم اپنی تباہی پر تو نالاں ہیں لیکن اسکی علت کو سمجھنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ جو لوگ یوروپین زبانیں جانتے ہیں اور جنہیں سیاسیات مشرقیہ سے کچھ لگاؤ ہے وہ تو مسئلہ مشرقی کی حقیقت کو جانتے ہیں ورنہ عام طور پر مسئلۂ مشرقی اور سیاسیات مشرقیہ سے لوگ بالکل بے خبر ہیں خصوصاً اردو زبان تو اس معاملہ میں بالکل ہی تہی مایہ ہے۔

اس ضرورت کو محسوس کرکے دارالاشاعت سیاسیات مشرقیہ قائم کیا گیا ہے جو سیاسیات مشرقیہ پر ایسی کتابیں اور رسالے شائع کریگا جو اپنی معلومات اور سلیقہ تحریر و تصنیف کے لحاظ سے بلند پایہ اور اپنے موضوع کے لحاظ جامع و مانع ہونگی پس دارالاشاعت ان حضرات کو جو اس موضوع سے شغف رکھتے ہیں اور جنہوں نے دقت نظر سے اس کا مطالعہ کیا ہے دعوت دیتا ہے کہ وہ اسطرف متوجہ ہوں۔ ہم انکی تحریرات (خواہ تصنیفات کی شکل میں ہوں یا ترجمہ کی) لینے کیلئے تیار ہیں اور حتی المقدور صلہ و نذرانہ بھی پیش کر سکتے ہیں۔

جو حضرات سیاسیات مشرقیہ سے دلچسپی رکھتے ہیں بہتر ہو کہ وہ اپنے نام دارالاشاعت کے رجسٹر میں درج کرا دیں تاکہ جو کتابیں شائع ہوں انکی اطلاع انہیں دیدیجائے۔

ناظم دارالاشاعت سیاسیات مشرقیہ دہلی